ابجدِ تحقیق

ڈاکٹر محمد ہارون قادر

ابجدِ تحقیق

ڈاکٹر محمد ہارون قادر
شعبۂ اُردو
جی سی یونیورسٹی، لاہور

جملہ حقوق محفوظ

ناشر	:	سید وقار معین 0300-8408750 0321-8408750 042-35189691-2
سال اشاعت	:	2010ء
طابع	:	گنج شکر پریس، لاہور
قیمت	:	395/- روپے

انتساب

شاہین ٭

کے

نام

٭ پروفیسر مسز شاہین ہارون، گورنمنٹ اپوا کالج، لاہور

"میرے اُفق کے ستارے"

عثمان علی ✿ مہوش عثمان ✿ ثناء ہارون ✿ احمد مصطفیٰ ہارون ✿ عروش عثمان

خدا اِن کی تابندگی سدا قائم رکھے

فہرست

	ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری	ا ب ج
	دیباچہ:	
	احوالِ واقعی: ڈاکٹر محمد ہارون قادر	د ہ و
۱۔	تحقیق کیا ہے؟	ص:۰۱
۲۔	تحقیق: اہمیت وضرورت	ص:۱۲
۳۔	تحقیق: شرائط وضوابط	ص:۱۸
۴۔	محقق کے اوصاف وفرائض	ص:۲۴
۵۔	محقق کی مشکلات	ص:۳۰
۶۔	اخلاقیات وآدابِ تحقیق	ص:۳۶
۷۔	تحقیق کی زبان	ص:۴۳
۸۔	موضوع کی تلاش اور انتخاب	ص:۵۱
۹۔	مواد کی تلاش اور جمع وفراہمی	ص:۶۶
۱۰۔	بنیادی مآخذ وثانوی مآخذ	ص:۷۶
۱۱۔	خاکہ سازی: تحقیقی میدان میں پہلا عملی قدم	ص:۸۶
۱۲۔	مقالے کا اسلوب	ص:۹۹
۱۳۔	اقتباسات وحوالہ جات	ص:۱۰۵
۱۴۔	تسوید تبییض (تبییض)	ص:۱۲۱
۱۵۔	کتابیات: ببلیو گرافیکل تفصیلات	ص:۱۲۹

وسائلِ تحقیق: ص:۱۴۸۔۱۶۹

۱۔ لغت	۱۴۔ یادداشتیں
۲۔ انسائیکلوپیڈیا	۱۵۔ ملاقات (انٹرویو)
۳۔ فرہنگ	۱۶۔ سوال نامہ (مراسلت کے ذریعہ استفسار)
۴۔ کتب خانے	۱۷۔ سمعی وبصری معاونت
۵۔ رسائل وجرائد	۱۸۔ تصویری ریکارڈ
۶۔ تحقیقی ادارے	۱۹۔ دستاویزات
۷۔ تاریخیں	۲۰۔ وضاحتی فہارس
۸۔ مخطوطات	۲۱۔ ذاتی ڈائریاں
۹۔ مکتوبات	۲۲۔ سرکاری ریکارڈ
۱۰ مسکوکات	۲۳۔ غیر مجلّہ مطبوعہ کتابچہ (پمفلٹ)
۱۱۔ ملفوظات	۲۴۔ کمپیوٹر
۱۲۔ تذکرے	۲۵۔ انٹرنیٹ
۱۳۔ کتبے	۲۶۔ تاریخ گوئی

دیباچہ

یوں تو اہل علم کے ہاں تحقیق کے نظری مباحث کی ضرورت واہمیت کا احساس مدت مدید سے پایا جاتا ہے اور اس حوالے سے تصنیف وتالیف کی متنوع صورتوں میں ایک قابل لحاظ ذخیرہ بھی فراہم ہو چکا ہے، تاہم گذشتہ چند برسوں میں سندی تحقیق کے فروغ پذیر ہونے کے باعث اس احساس نے پہلے سے کہیں زیادہ وسعت وعمومیت اختیار کر لی ہے اور مختلف سطحوں پر تحقیق کرنے والے نو آموز محققین کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے تحقیق کے نظری مباحث سے متعلق بہت سی کتابیں منصۂ شہود پر لائی گئی ہیں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ ایسی کتابوں میں تعلیم وتحقیق کے مختلف اداروں خصوصاً جامعات میں ایم۔اے، ایم۔فل اور پی ایچ۔ڈی وغیرہ کی سطحوں پر طریق تحقیق (Research Methodology) سے متعلق جاری نصابات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کتابوں کو ضبط تحریر میں لانے والوں کا مقصد اپنی علمیت کا رعب قائم کرنے کے بجائے کوچۂ تحقیق کے تازہ وارد طلبہ کے لیے آسانیاں پیدا کرنا ہے۔ ڈاکٹر محمد ہارون قادر کی نو تصنیف کتاب ''ابجد تحقیق'' بھی ایسے ہی سلسلۂ کتب میں شامل ہے۔ اس کی اشاعت بھی کسی ادّعائے علمی کے تحت نہیں بلکہ ''طلبا وطالبات کی فرمائش پر ان کی تحقیقی ضروریات کو کسی حد تک پورا کرنے کے لیے'' عمل میں لائی گئی ہے۔ چنانچہ اس میں ایسے موضوعات کا انتخاب کیا گیا ہے جو طلبہ کی ''نصابی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ان کی مدد کریں گے۔'' جب ہم اس کتاب کے مشمولات کا جائزہ لیتے ہیں تو مصنف کا مذکورہ بیان حقیقت پر مبنی معلوم ہوتا ہے جو انھوں نے تمہیدی

احوالِ واقعی

تحقیق، زندگی کے عملی میدان میں ایک زندہ معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔ لیکن یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ تحقیق میں کوئی بھی بات حرفِ آخر نہیں سمجھی جاتی۔ فنِ تحقیق پر اردو ادب میں بہت کم مواد میسر ہے۔ بے شمار نامی گرامی محققین نے تحقیق کے موضوعات پر طبع آزمائی کی اور ان کی نگارشات وقتاً فوقتاً مختلف رسائل میں شائع بھی ہوتی رہیں۔ بعض علم دوست حضرات نے تحقیق کے موضوع کے ساتھ محبت کا اظہار ان اہم مستند اور مفید نگارشات کو مرتب کر کے کتابی صورت میں کیا۔ یوں مبادیاتِ تحقیق سے متعلق مواد مختلف مرتبہ کتابوں کی صورت میں نوآموز تحقیق کاروں کی رہنمائی کے لیے ممد و معاون ثابت تو ضرور ہوا، لیکن موجودہ دور کی معاشی مشکلات کے پیشِ نظر ان کے لیے ہر کتاب کو خرید سکنا قدرے مشکل ٹھہرا، بلکہ بس میں ہی نہیں رہا، لہٰذا انھوں نے چند کتابوں کو ہی اپنے لیے کارِ تحقیق میں وسیلہ سمجھ لیا۔

پختہ کار یا منجھے ہوئے محققین کے پاس ذاتی مصروفیات کے بعد اب اتنا وقت کہاں کہ وہ نوآموز تحقیق کاروں کے لیے اپنے تجربات اور افکار و خیالات کو مزید کسی تفصیلی شکل میں تحریر کر سکیں۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے نئے تحقیق کار علمی و تدریسی درجات کی سطح پر اپنے نگران اساتذہ کی مہربانی سے صرف سندی تحقیقی کار سرانجام دے کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کی تحقیقی ذمہ داری پوری ہوئی۔

مجھ ناچیز کو جب جی سی یونیورسٹی، لاہور میں ایم فل اردو (اصولِ تحقیق) اور پی ایچ۔ ڈی کے کورسز کی تدریسی ذمہ داری سونپی گئی تو میں نے محسوس کیا کہ اصولِ تحقیق کے

موضوعات پر مواد مختلف کتابوں میں دستیاب تو ضرور ہے لیکن ان تک رسائی ایک مشکل عمل ہے کیونکہ جب ان کتابوں کو مختلف لائبریریوں میں تلاش کیا جاتا ہے تو کتاب عدارد اور اگر مل بھی جائے تو اس کے اوپر لگی مہر کے تحریر شدہ الفاظ "ناٹ ٹو بی ایشوڈ" تحقیق کار کی امیدوں پر پانی پھیر دیتے ہیں، پھر موجودہ مہنگائی نے تو افراد کی کمر ہی توڑ کر رکھ دی ہے۔ کتاب کہاں سے خریدی جائے۔ ان حالات میں نوآموز تحقیق کاروں کی حوصلہ افزائی انتہائی ضروری تھی۔

دوسری بات یہ کہ جب ایم۔ فل اور پی ایچ۔ ڈی کی تدریسی کلاسز کے اختتام پر طلبا و طالبات کو اپنے تحقیقی میدان میں عملی قدم رکھنا پڑتا ہے تو ان کی مشکلات کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اپنے نگران استاد یا دیگر اساتذہ کے آگے پیچھے، تحقیقی رہنمائی حاصل کرنے کے لیے بھاگے پھرتے ہیں کہ موضوع کا انتخاب کیسے کریں، مواد کہاں سے اور کیسے لیں، خاکہ سازی کیسے کریں، مقالہ کی تسوید و تبییض کے مراحل سے کیسے گزریں، حواشی و حوالہ جات کہاں سے اور کیسے دیں، کتابیات کی فہرست کیسے تیار کریں۔

اس ساری صورتِ حال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، میں نے کوشش کی کہ تحقیق سے دلچسپی رکھنے والے تحقیق کاروں اور سندی تحقیق کے حوالے سے کام کرنے والے طلبا و طالبات کے لیے نامور محققین کی آراء کی روشنی میں کوئی ایسی کاوش کی جائے جس سے ان کی نصابی ضرورت کے تحت مختلف کتابوں کو ڈھونڈنے کی جد و جہد اور دیگر مشکلات کو کسی قدر کم کیا جائے۔

بحیثیت اُستاد یا نوآموز تحقیق کار میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ یہ کوئی اہم یا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے لیکن پھر بھی طلبا و طالبات کی فرمائش پر اُن کی تحقیقی ضروریات کو کسی حد تک پورا کرنے کے لیے اس کتاب میں ایسے موضوعات کا انتخاب ضرور کیا ہے جو ان کی

حاصل شدہ علم اور معلومات کی تصدیق کا خواہش مند رہتا ہے لہٰذا اس تشنگی کو دور کرنے کے لیے Research کی جاتی ہے۔

فرہنگ آصفیہ میں تحقیق کے معنی کچھ یوں ہیں:

"تلاش، تجسس، تفتیش، چھان بین، کھوج، سراغ، دریافت اور جانچ۔"(۱)

فیروز اللغات میں تحقیق کے معنی یہ بتائے گئے ہیں:

"(۱) اصلیت معلوم کرنا، دریافت کرنا (۲) درستی، صحت (۳) دریافت تفتیش، جانچ پڑتال (۴) سچائی صداقت، اصلیت (۵) یقین (۶) پایہ ثبوت کو پہنچنا (۷) درست، ٹھیک، سچا۔"(۲)

آکسفورڈ ڈکشنری نے تحقیق کے یہ معنی بتائے ہیں:

"(۱) کسی مخصوص چیز یا شخص سے متعلق گہری یا محتاط تلاش کا عمل (۲) کسی حقیقت کے انکشاف کی غرض سے محتاط غور و فکر یا کسی مضمون کے مطالعہ کے ذریعے تلاش یا چھان بین، ناقدانہ یا سائنسی سلسلۂ تلاش (۳) کسی مضمون کی چھان بین یا مسلسل مطالعہ (۴) دوسری بار یا بار بار کی تلاش۔"(۳)

Merriam Websiter online Dictionary میں تحقیق کے بارے میں یوں لکھا ہے:

"Research:

1. Careful or diligent search.
2. Studious inquiry or eamination; especially: investigation or experimentation aimed at the discovery and interpretation of facts, revison of accepted theories or laws in the light of new facts, or practical

application of such new or revisied theories or laws.
3. The collecting of information about a particular subject."(4)

(ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی اس کا ترجمہ اپنی کتاب "مبادیات تحقیق" کے ص ۱۳ پر یوں کرتے ہیں:

"(۱) محتاط یا سرگرم تلاش، گہری جستجو۔
(۲) انہماک کے ساتھ جستجو یا چھان بین، بالخصوص یا عموماً ناقدانہ اور سیر حاصل تفتیش یا جستجو جس کا مقصد نئے حقائق کا انکشاف اور ان کی صحیح تاویل اور پھر نئے حقائق کے انکشاف کی روشنی میں مروجہ نتائج، نظریات یا قوانین پر نظر ثانی کرنا یا نظر ثانی کیے ہوئے نتائج کا عملی استعمال وغیرہ۔
(۳) نیز کسی شخصیت یا مضمون یا اسی قبیل کی کسی دوسری چیز سے متعلق مخصوص چھان بین۔")

Cambridge Advanced Learner's Dictionary میں ریسرچ کے متعلق یوں لکھا ہے:

"Research:
Research is a detailed study of a subject, especially in order to discover new information or reach a new understandin."(5)

("تحقیق خاص طور پر نئی معلومات کی دریافت کرنے یا نئی فہم تک پہنچنے کے لیے ایک موضوع کا تفصیلی مطالعہ ہے۔")

Encarta (Encyclopedia) میں تحقیق کے متعلق یوں تحریر ہے:

"1.Research-organized study:
Methodical investigation into a subject in

order to discover facts. to establish or rivse a theory. or to develop a plan of action based on the facts discovered.

2. Research- study something.

Methodically: to carry out research into a subject." (6)

(۱۔ "تحقیق ایک موضوع پر نئے حقائق دریافت کرنے، ایک نظریہ بنانے یا دہرانے یا ایک لائحہ عمل ترتیب دینے۔ جس کی بنیاد دریافت شدہ حقائق ہوں کا منظم مطالعہ اور چھان بین ہے۔"

۲۔ "تحقیق کسی موضوع پر چھان بین کرنے کے لیے کسی چیز کا منظم مطالعہ کرنا ہے۔")

مالک رام تحقیق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ ح ق ق ہے جس کے معنی ہیں کھرے کھوٹے کی چھان بین یا کسی بات کی تصدیق کرنا۔ دوسرے لفظوں میں تحقیق کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے علم وادب میں کھرے کو کھوٹے سے، مغز کو چھلکے سے، حق کو باطل سے الگ کریں۔ انگریزی لفظ ریسرچ کے بھی یہی معنی اور مقاصد ہیں۔"[۷]

قاضی عبدالودود تحقیق کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

"تحقیق کسی امر کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے... کوشش کامیاب بھی ہوتی ہے اور ناکام بھی... حقیقت موجود ہے یہ دوسری بات ہے کہ ہمارے پاس اس کے دریافت کرنے کے نامکمل ذرائع ہیں۔"[۸]

ڈاکٹر گیان چند۔ قاضی عبدالودود کی متعین کردہ اس تعریف کو ناکافی اور مبہم قرار

دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"اگر حقیقت افشا ہے تو اس کی اصل شکل کو دیکھنا تحقیق نہیں..... کہنا یہ چاہیے جب کسی امر کی اصل شکل پوشیدہ یا مبہم ہو تو اس کی اصلی شکل کو دریافت کرنے کا عمل تحقیق ہے۔"[۹]

کسی بھی حقیقت کو پوشیدہ یا مبہم بنانے میں انسانی زاویۂ نگاہ بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ ایک ہی چیز میں دو مختلف زاویۂ نگاہ رکھنے والے افراد کے لیے مختلف حقیقتیں پنہاں ہو سکتی ہیں یا ایک حقیقت ایک زاویہ سے صاف اور واضح جبکہ دوسرے زاویے سے مبہم بھی نظر آسکتی ہے۔

نذیر احمد اسی بات کو مزید واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"حقیقت خواہ کسی قسم کی ہو، اس کے سلسلے میں جو کوشش کی جائے وہ تحقیق کی حد میں شامل ہوگی... بسا اوقات محقق جس نتیجے پر پہنچا ہے وہ دراصل عین حقیقت نہیں ہوتی بلکہ محدود ذرائع و وسائلِ تحقیق کی بنا پر اسی نتیجے کو حقیقت کا نام دینا پڑتا ہے۔"[۱۰]

ڈاکٹر سید عبداللہ اپنے مضمون تحقیق وتنقید میں بیان کرتے ہیں:

"تحقیق کے لغوی معنی کسی شے کی "حقیقت" کا اظہار یا اس کا اثبات ہے۔ اصطلاحاً یہ ایک ایسے طرز مطالعہ کا نام ہے جس میں موجود مواد کے صحیح یا غلط کو بعض مسلمات کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے۔"[۱۱]

آغا افتخار حسین رقمطراز ہیں:

"تحقیق حقیقت کی جستجو ہے اور چونکہ حقیقت اکثر پنہاں اور گریزاں رہتی ہے اس لیے اس کو پانے کے لیے جستجو کرنا پڑتی ہے۔"[۱۲]

ڈاکٹر نجم الاسلام چند انگریزی محققین کی آراء کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ ۱۳

1- رسک (Rusk)

''تحقیق کیا ہے؟ ایک نقطۂ نظر اور تفتیش کا انداز یا ذہن کا ایک طریق کار۔ یہ وہ سوالات اٹھاتی ہے جو ابھی تک اٹھائے نہ گئے ہوں، اور ایک خاصے متعین طریق کار کے ساتھ ان کا جواب دینے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ صرف نظریہ سازی نہیں بلکہ ایک کوشش ہے، حقائق کے استخراج کی، اور جب وہ یکجا کر لیے گئے ہوں تو مجتمع شکل میں ان کا سامنا کرنے کی۔''

[Rusk, Robert R: Research in Education London, University of London Press 1932.]

2- اسمتھ (Smith)

''تحقیق، شامل ہے محتاط اور ناقدانہ تلاش و تفتیش اور جانچ پرکھ کو، جو حقائق یا اصولوں کی تلاش میں کی جائے، نیز محنت اور تسلسل کے ساتھ کی ہوئی کھوج کو، جو سچائی کو پالینے کی تلاش میں کی جائے۔''

[Smith, Henry Lester: Educational Research Principal and Practices Bloomington ind. Educational Publishers 1944.]

3- وہٹنے (Whitney)

''تحقیق سوچ بچار کا ایک منظم اور شستہ طریق کار ہے جو مخصوص آلات یا طریق عمل سے کام لے کر کسی مسئلے کا ایک مناسب حل نکالتی ہے، جو معمولی ذریعوں سے حاصل نہ ہو پاتا۔ یہ کسی مسئلے سے آغاز کرتی ہے، حقائق کو جمع کرتی ہے، ناقدانہ طور پر ان کا تجزیہ کرتی ہے اور اصل شہادت کی بنیاد پر، فیصلوں تک پہنچتی ہے۔ یہ شامل ہے اصل کام کو، بجائے اس

کے کہ محض شخصی رائے کا بوجھ ڈالا جائے۔ یہ جاننے کی حقیقی خواہش سے پھوٹتی ہے نہ کہ ثابت کر ڈالنے کی خواہش سے''

وہٹنے (Whitney)

''تحقیق ایمانداری، جامعیت اور ذہانت کے ساتھ کی جانے والی کھوج ہے۔ جو حقائق کے لیے اور کسی پیش نظر مسئلے کے حوالے سے، ان حقائق کے مفاہیم و معانی یا اثر انداز ہونے والے نتائج کے لیے کی جاتی ہے۔ کسی تحقیقی کام کے نتائج کو اس مطالعاتی میدان میں مستند، قابل توثیق اضافہ ہونا چاہیے۔''

[Whitney, Frederick Lawson: The Elements of Research New York Pentice. Hall 1950.]

4- کرافورڈ (Crawford)

''تحقیق کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ ایسے مسائل کے مطالعے کا ایک طریقہ ہے جن کے حلوں کا استخراج، جزوی طور سے یا کلی طور سے، حقائق سے کیا جاتا ہو۔''

[Karford, CC: The Teehnique ow Research in Education-Los Angeless, University of Southern california 1928.]

5- فشر (Fisher)

''ارباب تحقیق وہ ہنرمند ہیں جو اپنی دلچسپی کے ایک موضوع پر کام کر کے۔ تحقیقی نتائج تک پہنچنے کے لیے، بہترین دستیاب آلات و وسائل کا انتخاب کرتے ہیں۔''

[Fisher, Ronaled J: Social Psychology , An Applied Approach. New York, 51 Martins Press, 1982.]

6- کڈر (Kidder)

"سماجی تحقیق آپ کی نظر کو وہ وسعت دے سکتی ہے، جس کی مدد سے واقعات کے پیچھے کارفرما اسباب کو دیکھا جا سکے اور افعال کے پیچھے کارفرما معانی و مفاہیم کو سمجھا جا سکے اور اجتماعی سرگرمیوں کے پیچھے کارفرما سماجی تنظیم کا پتا چلایا جا سکے۔"

[Kidder, Louise H: Research Methods in Social Relations. New York, Henry Holt & Co 4th ed. 1981.]

7- پال (Paul)

"تحقیق کیا ہے؟ ایک منظم و مربوط تلاش، غیر منکشف حقائق کی، ایک اندازکی، جس کے ذریعے لوگ مسائل کی گتھیاں سلجھاتے ہیں اور کوشاں رہتے ہیں کہ انسانی جہل و ناواقفیت کی سرحدیں پیچھے دھکیل دیں۔"

[Paul, D.Leedy: Practical Research, Planning Design.New York. Macmillan Publishing Co. Inc 3rd ed 1985.]

8- چارٹرس (Charters)

"تحقیق میں دو خصوصیات لازمی ہیں، ایک مسئلہ جو کسی ذریعے سے منتخب کیا گیا ہو دوسرے یہ کہ عالمانہ طریقے اور محتاط طور پر اس کا حل پالیا گیا ہو۔"

[Charters, ww: Pure Research and Practical Research Jounal of Educational Research. xii. No.2. September 1925.]

9- گڈ اور سکیٹس (Good & Scates)

"تحقیق، شامل ہے مسئلے کے تعین میں، قابل لحاظ حد تک احتیاط کو اور مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے بہترین طریقوں کے طے کرنے کو اور اس میں ہمیشہ ندرت یا نئے پن کا ایک

عنصر ہوتا ہے۔"

[Good, Carter V. and Douglas. E.Scates: Methods of Reasech- New York Appleton Century-Crofts 1954.]

ریسرچ کا لفظ عام طور پر اُردو لفظ تحقیق کا انگریزی مترادف قرار دیا جاتا ہے۔

ریسرچ کے حوالے سے ڈاکٹر گیان چند رقمطراز ہیں:

"انگریزی ریسرچ... کے ایک معنی توجہ سے تلاش کرنا ہیں، دوسرے معنی دوبارہ تلاش کرنا ہیں۔ رابرٹ راس (Robert Ross) کے مطابق یہ فرنچ لفظ Rechercher سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں پیچھے جا کر تلاش کرنا... اور یہ نکلا ہے لاطینی لفظ Circare سے جس کے معنی ہیں گھومنا پھرنا... گھوم پھر کر تلاش کرنا۔"[14]

مقصود ایس اے حسینی لکھتے ہیں:

"تحقیق کا مادہ حق ہے انگریزی میں اس کا متبادل Right ہے ایسا فعل، چیز یا نظریہ جو حق Right پر مبنی ہو پیش کرنا تحقیق کہلائے گا۔"[15]

تحقیق سے مراد ہے حق کی تلاش۔ حق جو معلوم ہے یا نہیں لیکن وہ موجود ہے۔ اگر انگریزی Research کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو واضح ہوگا کہ Research کے معنی بھی دوبارہ کھوج کے ہیں۔ کوئی ایسی شے تلاش کرنا جو موجود ہے۔ لیکن لاعلمی کے اندھیروں میں گم ہو چکی ہے یہ ہوسکتا ہے کہ لفظ تحقیق کے لیے کوئی اور بہتر مترادف لفظ تلاش کرلیا جائے لیکن کسی بہترین مترادف کی عدم موجودگی میں Research ہی سب سے اچھا مترادف ہے۔

ڈاکٹر گیان چند کی متعین کردہ تعریف، تحقیق کو بہت حد تک واضح کر دیتی ہے۔ وہ یوں رقمطراز ہیں:

"ریسرچ ایک حقیقت پنہاں یا حقیقت مبہم کو افشا کرنے کا
باضابطہ عمل ہے اور اسی تعریف سے تحقیق کا مقصد بھی صاف
ہو جاتا ہے نامعلوم یا کم معلوم کو جاننا۔ یعنی جو حقائق ہماری
نظروں کے سامنے نہیں ہیں انہیں کھوجنا، جو سامنے تو ہیں لیکن
دھندلے ہیں ان کی دھند دور کر کے انہیں آئینہ کر دینا۔"[۱۶]

گویا ہم اس ساری بحث سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تحقیق ایک ایسے طرز فکر کا نام ہے جو منظم اور سائنسی طریق کار کو بروئے کار لاتے ہوئے مخصوص میدانوں میں، پیش نظر مسائل کا حل تلاش کرتی ہے۔ یا اٹھائے گئے سوالوں کا جواب پیش کرتی ہے۔

☆☆☆☆

حواشی

۱ سید احمد دہلوی، مولوی، فرہنگ آصفیہ، جلد اول، لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ص: ۵۹۵

۲ فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات اردو جامع، لاہور: فیروز سنز، س ن، ص: ۳۱۲

۳ A New English Dictionary on Historical Principles vol:8 بحوالہ عبدالرزاق قریشی، مبادیات تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، س ن، ص: ۷

۴ www.websters Online Dictionary

۵ Cambridge Advanced Learner's Dictionary (Cambridge University Press). p:1061

۶ www.encarta.com

۷ مالک رام، اردو میں تحقیق، مشمولہ، اُردو میں اُصول تحقیق، جلد دوم، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، ص: ۸۰

۸ عبدالودود قاضی، اصول تحقیق، مشمولہ، تحقیق و تدوین، جلد اول، مرتبہ: محمد ہاشم، سید، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۷۸ء، ص: ۳۶

۹ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۰۲ء، ص: ۱۰

۱۰ نذیر احمد، تاریخی تحقیق کے بعض بنیادی مسائل، مشمولہ، تحقیق و تدوین، جلد اول، مرتبہ: محمد ہاشم، سید، علی گڑھ، شعبہ اُردو، مسلم یونیورسٹی، ۱۹۷۸ء، ص: ۵۲

۱۱ عبداللہ، ڈاکٹر سید، مباحث، لاہور: مجلس ترقی ادب، فروری ۱۹۶۵ء، ص: ۳۶۵

۱۲ افتخار حسین، آغا، اہل قلم اور اہل تحقیق حضرات کی خدمت میں چند معروضات، مشمولہ، "نگار" پاکستان، شمارہ ۶، کراچی، ۱۹۶۵ء، ص: ۸

۱۳ معجم الاسلام، ڈاکٹر، تحقیق کی چند تعریفات، مشمولہ، تحقیق شناسی، مرتبہ: رفاقت علی شاہد، لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۰۳ء، ص: ۲۷

۱۴ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۰۲ء، ص: ۱۰

۱۵ مقصود الیس اے حسینی، تحقیق کا طرز مطالعہ، مشمولہ، ماہنامہ "علامت"، کراچی: جلد نمبر ۳، شمارہ نمبر ۳، مارچ ۱۹۹۲ء، ص: ۵۰

۱۶ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۰۲ء، ص: ۱۳

☆☆☆☆

تحقیق: اہمیت وضرورت

ادبی اصطلاح میں تحقیق ادب کی معتبر تفہیم ہے۔ یعنی تحقیق کی بدولت کسی ''فن پارے'' کی حیثیت اور اس کے عہد کا تعین ہوتا ہے۔ اس کی خوبیوں اور خامیوں کی جانچ پڑتال ہوتی ہے۔ تحقیق حقائق کی تلاش کا دوسرا نام بھی ہے گویا تحقیق ایک موزوں، متوازن اور فکریہ لائحہ عمل ہے۔ جو اصل حالات کو معلوم کرنے میں اختیار کیا جاتا ہے۔ کسی بھی معلوم حقیقت کو فکر میں تبدیل کر کے علم کی توسیع کے امکانات کو روشن کرنے کے لیے مسلسل محنت، لگن اور دیانت داری کی ضرورت ہوتی ہے۔

کارِ تحقیق ایک قدیمی فن ہے۔ تحقیق کا جدید تصور سب سے پہلے اہل یونان نے اپنایا اور یونانی مفکر ارسطو نے اسے پروان چڑھایا۔ تحقیق کی اہمیت ہر شعبۂ تعلیم میں پائی جاتی ہے۔ اس کے بغیر علم کی معرفت اور دانشوری کسی بھی صورت ممکن نہیں۔ موجودہ تکنیکی دور میں تحقیق کے بغیر ترقی اور بقا ممکن نہیں، لہٰذا جدید انکشافات سے دوری کے خاتمے کے لیے تحقیق کے فن میں مکمل مہارت حاصل کرنے کی ضرورت وقت کا اہم تقاضا ہے۔

بنی نوع انسان کے مسائل کی ابتدا کے ساتھ ہی تحقیق کا آغاز بھی ہوا۔ جیسے جیسے انسانی مسائل بڑھتے گئے ویسے ویسے تحقیق بھی اپنا سفر طے کرتی گئی۔ تحقیقی عمل کے ذریعے ہی انسان نے اپنے مسائل کو حل کر کے اپنی زندگی کو آسان بنایا۔ تاریخ گواہ ہے کہ پرانے زمانے کا انسان درختوں کے پتوں اور کھال پر لکھتا تھا جبکہ آج کل کا انسان دلکش و خوبصورت کاغذ پر لکھ رہا ہے۔ طباعت واشاعت میں ترقی ہوئی۔ قدیم چھاپہ خانوں کی جگہ جدید مشینوں نے طباعت کے کاموں میں تیزی پیدا کر دی۔ یہ سب کچھ تہذیبی ترقی کی بدولت ہی ممکن ہو پایا۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

''تحقیق کا کام حال کو بہتر بنانا، مستقبل کو سنوارنا اور ماضی کی

تاریکیوں کو روشنی عطا کرنا ہے۔''[۱]

تحقیق کا کام معلوم شدہ مواد کو مرتب کر کے اس کا تجزیہ کرنا ہے اور پھر حاصل شدہ نتائج سے آگاہی دینا ہے۔ دراصل انسانی تہذیب کا قافلہ تہذیبی ترقی کی وجہ سے ہی رواں دواں ہے۔ جس کا سب سے بڑا سبب تحقیقی قوت ہے۔ اگر تحقیق نہ ہو تو ہر قسم کی ترقی ختم ہو جائے اور انسانی تہذیب کا ارتقا رک جائے۔ اس بات سے تحقیق کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

تحقیق ادبی نظریات کی گہرائی اور ماخذ تک رسائی میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اس سے حقائق زیادہ واضح اور مکمل ترین صورت میں سامنے آتے ہیں۔ ابہام کی کیفیت اور شک کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اصل میں ادب میں بعض ایسے تصورات و نظریات جنم لیتے ہیں جو غلط، ادھورے اور نامکمل ہوتے ہیں۔ ان تصورات و نظریات کو غلط ثابت کرنے کے لیے تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے اور جو نظریات ادھورے اور نامکمل ہوتے ہیں وہ بھی تحقیق کی مدد سے تکمیل پا جاتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''تحقیق نہ صرف شک کو رفع اور تحیر کو دور کرتی ہے بلکہ آدمی کے لیے نئی نئی راہیں کھولتی ہے۔ وہ مسائل کو حل کرتی اور گتھیوں کو سلجھاتی ہے وہ خامیوں کو دور کرتی اور خوب کو خوب تر بناتی ہے۔''[۲]

حافظ محمود شیرانی نے متعدد نظریات کی غلطی مسکت دلائل سے ثابت کی جو صدیوں سے مسلمہ کلیوں کی حیثیت اختیار کر چکے تھے مثلاً:

''۱۔ فردوسی نے شاہنامہ، سلطان محمود غزنوی کی فرمائش پر لکھا تھا۔

۲۔ فردوسی نے سلطان محمود غزنوی کی ہجو لکھی۔

۳۔ خالق باری، حضرت امیر خسرو کی تصنیف ہے۔

۴۔ پرتھی راج راسا محمد غوری کے عہد میں کسی شاعر چاند بردے نے تصنیف کیا۔

۵۔ دیوان معینی، حضرت معین چشتیؒ کا کلام ہے۔

۶۔ شاہنامے کے علاوہ فردوسی نے یوسف زلیخا نام کی نظم بھی لکھی تھی۔"۳

تحقیق علوم کو حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے۔ جب ہم کسی موضوع پر کام کر رہے ہوتے ہیں تو کام کے دوران کئی نئی نئی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس طرح تحقیقی عمل ہمارے لیے کئی دروازے کھولتا ہے اور ہماری سوچ کے لیے فکر کے بہت سے راستے کھل جاتے ہیں، مثال کے طور پر جب ڈاکٹر جمیل احمد جالبی "تاریخ ادب اردو" کو تحریر کر رہے تھے تو انہیں نصرتی کا ایسا کلام ملا جو اب تک محققین کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے اس دریافت شدہ کلام کو یکجا کر کے دیوان کی صورت دے دی۔

تحقیق علوم کو حاصل کرنے کا ایک موزوں ترین ذریعہ ہے۔ اس کی بنیاد مطالعہ اور مشاہدہ پر ہے۔ جب ہم کسی تحقیقی موضوع پر کام کرتے ہیں تو سب سے پہلا کام مناسب موضوع کا انتخاب ہے۔ پھر مواد کو جمع کر کے ترتیب دیا جاتا ہے۔ بعد از تجزیہ، نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے یوں کئی مراحل سے گزرنے کے بعد مطالعہ اور مشاہدے سے بھرپور مدد لے کر معلومات کا بے بہا ذخیرہ جمع کیا جاتا ہے۔

تحقیق کسی خیال اور معلومات کو من وعن قبول نہیں کرتی بلکہ وہ انہیں خود دریافت کرتی ہے۔ تحقیق حقائق سے براہ راست واقفیت کا نام ہے۔ تحقیق حقائق کی تصدیق کرتی ہے اور نئے نئے راستے نکالنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً درج ذیل باتوں کو تحقیق نے غلط ثابت کیا۔

۱۔ "غالب نے عبدالصمد نامی ایک ایرانی امیر زادے کو اپنا استاد بنایا ہے۔ بظاہر کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ ہم اس دعویٰ کی تردید کر دیں لیکن محققین نے اس دعویٰ کا تجزیہ کیا تو اس کی تکذیب کر دی۔"۴

۲۔ "قاضی عبدالودود نے "احوال غالب" میں ایک مقالہ "غالب کا ایک فرضی استاد" لکھا جس میں اندرونی شہادتوں سے ثابت کیا کہ غالب کا بیان غلط ہے۔ غالب نے نقادوں کے اعتراضات سے تنگ آ کر ایک استاد ذہنی طور پر تخلیق کیا تا کہ اسے بے

استاد نہ کہا جائے۔"۵

۳۔ میر تقی میر نے "ذکر میر" میں اپنے والد محمد علی کے بارے میں جو کچھ لکھا وہ محض مدح سرائی ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تحقیق منظر کو بدل دیتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شعر غلط ہو تو اس کی توضیح وتشریح بدل جاتی ہے۔ تحقیق نتائج کو بدل دیتی ہے اور حقیقتوں کو درست کرتی ہے۔ مثلاً مجنوں گورکھپوری نے اپنے مضمون "میر اور ہم" میں ایک الحاقی شعر کی بنا پر میر کے حوالے کی تعریف کی ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔

شکست و فتح نصیبوں پہ ہے ولے اے میرؔ
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا ۶

تحقیق نے بتایا کہ یہ شعر میرؔ کا ہے ہی نہیں، امیرؔ شاگرد قائمؔ کا ہے۔۷

پہلے مصرعے کا جزو "ولے اے میر" کی جگہ "میاں لیکن" ہے گویا غلط انتساب کی بنیاد پر جو عمارت اٹھائی گئی وہ ڈھے گئی۔ مجنوں گورکھپوری کو بھی جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے مضمون سے یہ شعر نکال دیا۔۸

تحقیق ادبی میدان میں ادیب، شاعر اور نقاد کے کارناموں پر روشنی ڈالتی ہے اور ان کے قد اور حیثیت کا تعین کرتی ہے۔ تحقیق کسی فن پارے کے عہد کا تعین کرتی ہے۔ فن پارے کی زبان کا اندازہ لگاتی ہے کہ جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ کس زمانے میں رائج تھے؟ اور ان کی املا کیا ہے؟ تحقیق کا اہم کام گمشدہ دفینوں کی دریافت کرنا اور ماضی کی تاریکیوں کو دور کر کے اسے روشنی مہیا کرنا ہے۔ تحقیق ماضی کی گمشدہ کڑیاں دریافت کرتی ہے اور تاریخی تسلسل کی بحالی کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اردو ادب کو اس کی ارتقائی صورت میں مربوط کرتی ہے۔ تحقیق کسی شاعر یا ادیب کی تاریخ پیدائش کا تعین کرتی ہے۔ جس سے اس شاعر یا ادیب کے عہد کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور اس کے عہد کی روشنی میں ہی اس کے فن پارے کو صحیح تفہیم وتعبیر ممکن ہوتی ہے۔

ہر ادبی دور میں ایک تخلیقی فعالیت کا دور آتا ہے۔ جب بڑے اچھے اور نئے نئے

لکھنے والے سامنے آتے ہیں۔ مثلاً سرسید تحریک کے زیر اثر ایک نیا طرز فکر آیا۔ اسی طرح رومانوی اور ترقی پسند تحریکوں کے زیر اثر ایک نئے پن کا اظہار ہوا۔ مگر رفتہ رفتہ یہ نیا پن تقلیدی روپ اختیار کر گیا۔ یہ تقلیدی رویہ ادب کو کلیشے (جمود) میں بدل دیتا ہے۔ ادب کو کلیشے سے نجات تحقیق کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہے۔

مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحقیق ہی ادبی عقائد و نظریات کے ماخذ تک رسائی کا ذریعہ بنتی ہے۔ ادب کی ترقی و ترویج اور اشاعت کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے ادبی شخصیات کا بہترین تعارف ہوتا ہے۔ تحقیق ہی اسلوب کی خامیوں، خوبیوں کی وضاحت پیش کرتی ہے۔ بکھری ہوئی معلومات کو جمع کرتی ہے۔ ادب میں تحقیق کی ضرورت اور اہمیت سے انکار کسی صورت بھی ممکن نہیں ہے۔ بلکہ تحقیق ہی ادب اور ادیب کی قدر و قیمت اور قد میں اضافہ اور استحکام کا باعث بنتی ہے۔

☆☆☆☆

حواشی

۱ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ادبی تحقیق کے اصول، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۰

۲ عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر، مبادیاتِ تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، س ن، ص: ۱۳

۳ مالک رام، اردو میں تحقیق، مشمولہ: اردو میں اصول تحقیق، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، جلد دوم، طبع چہارم، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، بلیو ایریا، ۲۰۰۱ء، ص: ۹۰

۴ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ادبی تحقیق کے اصول، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۴

ایضاً

۵ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۰۲ء، ص: ۲۹

۶ یہ مضمون مجنوں کے مجموعہ ''نکاتِ مجنوں'' میں موجود ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے یہ حوالہ نقوش میر نمبر، شمارہ ۱۲۶، بابت نومبر ۱۹۸۰ء، ص: ۲۶۳ سے لیا ہے۔

۷ ملاحظہ ہو، ترمیم شدہ روایت افکارِ میر، مرتبہ: ایم حبیب خان، علی گڑھ، دسمبر ۱۹۶۷ء، ص: ۲۸۳

☆☆☆☆

تحقیق: شرائط واُصول

تحقیق کرنے کے لیے جہاں ایک محقق میں مختلف صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے وہاں ان صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے چند شرائط یا اصول وضوابط بھی طے پا چکے ہیں۔ ذیل میں ہم ایک محقق کے لیے تحقیق کے میدان میں جن شرائط پر عمل کرنا ضروری ہے ان کو زیر بحث لائیں گے۔

تحقیق کا کام سرانجام دینے والوں کو جن بنیادی شرائط کو مدنظر رکھنا چاہیے ان میں سب سے اولین شرط ''صداقت اور عدل'' ہے۔ دوسری شرط ''محنت اور لگن'' ہے اور تیسری شرط ''تکنیکی تعلیم وتربیت'' ہے۔ تحقیقی سوجھ بوجھ کا تمام تر دارومدار ان شرائط کی پابندی پر ہے۔

تحقیق کار کے لیے سب سے پہلی شرط ''صداقت اور عدل'' پر ایمان رکھنا ہے۔ زمانے میں موجودات کے حوالے سے اسے اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ اس دنیا میں ہر موجود چیز کے متعلق سوچا اور سمجھا جاسکتا ہے۔ اس چیز کو دہرایا یا تبدیل بھی کیا جاسکتا ہے۔ نتائج کی بنیاد پر کوئی پیشگی گفتگو بھی کی جاسکتی ہے۔

تحقیق کار اپنے یقین کی بنیاد پر سچ کی تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب ہم کوئی دعویٰ سنتے یا پڑھتے ہیں تو اس کے درست یا غلط ہونے کے بارے میں تھوڑی سی دیر کے لیے تذبذب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس مشکل وقت میں محقق کا کردار یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے دلائل کی مدد سے حق کی تلاش کرے اور اپنی بے لاگ رائے سے لوگوں کی رہنمائی کرے۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی: ''تحقیق تلاش کے ذریعے حقائق معلوم کرنے اور ان کی تصدیق کا نام ہے۔''[۱]

صداقت نو آموز یا پختہ کار محقق سے غیر جانبدار اور غیر متعصبانہ طریق کار اور

رویے کی طالب ہوتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ بے تعصبی تحقیق کی زبان و جان ہے۔ تحقیق کی غرض وغایت ہرگز یہ نہیں ہونی چاہیے کہ پہلے سے متعین شدہ چند مفروضات کو درست یا غلط ثابت کیا جائے۔ یا اگر کسی بے لاگ تحقیق سے اپنے قائم کردہ نتائج کی تائید یا تردید نہ ہو تو اس تحقیق کو توڑ مروڑ کر اپنی مرضی کے مطابق ڈھالا جائے۔ یہ ادبی بددیانتی ہے۔ محقق کو کھلے دل سے تحقیق کے ممکنہ نتائج کے لیے تیار ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر عطش درانی لکھتے ہیں:

''صداقت کی تلاش ایک ایسا عمل ہے جو سابقہ تجربات پر مبنی قدم بہ قدم آگے بڑھتا ہے۔''[۲]

محقق کے سابقہ تجربات اس کے مشاہدات پر مبنی نئے تصورات کو جنم دیتے ہیں یہ تصورات علم کی بنیادی اکائیاں قرار پاتے ہیں بعض تصورات جامد اور بعض متغیر ہوتے ہیں۔ عام طور پر تصورات تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ بہت کم تصورات جامد یا مستقل ہوتے ہیں۔ تحقیق انہی متغیرات کو قابو میں رکھ کر ان تصورات کے ساتھ تقابلی مطالعہ کرنے کا نام ہے۔ مثلاً اگر ہم مطالعہ کریں کہ غالب بڑا شاعر ہے یا اقبال؟ تو ہم اپنے تصورات کے متغیرات پر غور کریں گے کہ:

۱۔ ہم یہ مطالعہ کس دور میں کر رہے ہیں؟
۲۔ اس دور میں ''بڑے'' کا تصور کیا ہے؟
۳۔ بڑا ہونے کا معیار کیا ہے؟
۴۔ مختلف ادوار میں بڑا ہونے کے کیا معیارات تھے؟

چنانچہ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے کہ غالب کے بعد اب اقبالؒ بڑا شاعر ہے۔ اس تصور کو بدلنے کے لیے محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ عدل کرنے والا، سچ بولنے والا، غیر جانبدار اور غیر متعصب ہو اور اس کے ساتھ اس کے اندر توازن اور اعتدال بھی موجود ہو۔

تحقیق کی دوسری شرط ''محنت اور لگن'' ہے ایک محقق کو تحقیقی کام کرنے کے لیے بے حد محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور محنت کا یہ کام انتہائی صبر اور لگن کے ساتھ انجام دینا پڑتا ہے اگر دیکھا جائے تو تخلیق دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ ادب کی تخلیق اس سے بھی بڑھ

کر مشکل، لیکن تحقیق میں یہ مشکلات تین گنا بڑھ جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ پرانی روایات اور عقائد کو نئے انداز میں دیکھنے کا عمل ہے اور بقول مولوی عبدالحق: ''پرانی باتیں دل سے نکلتے ہی نکلتی ہیں۔''[۳]

ایسے ہی خیالات کا اظہار ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے کیا ہے:

''تحقیق کو بطور ایک طرز زندگی اپنانا ہی اولین اور بنیادی اور
لازمی شرط ہے۔ اور اس راستے کا پہلا قدم ہے ایک سچی لگن
اور وہ تو فی الحقیقت ہر صبر آزما کام کے لیے ضروری ہے۔''[۴]

لہٰذا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایک محقق کے اندر تحقیقی دشواریوں سے گزرنے کے لیے عمر نوح اور صبر ایوب ہونا چاہیے۔

ہر انسان دوسرے سے مماثل ہوتے ہوئے بھی مختلف ہے۔ یہی حال اُن کے رویے اور ذوق کا بھی ہے۔ ان میں اختلافات ہیں اور یہ اختلافات بقول ذوقؔ:

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

تحقیق بے حد محنت اور بال کی کھال اتارنے کا عمل ہے اس لیے یہ ان لوگوں کو راس آتا ہے جنہیں محنت، صبر اور برداشت کی عادت ہو۔ تاکہ وہ نتائج کے حصول تک دل جمعی سے کام کرتے رہیں اور پھر اپنے تحقیقی نتائج کا دفاع بھی کر سکیں۔ اگر طویل تحقیق کے بعد بھی ان کے ہاتھ کچھ نہ لگے یا نتائج محنت کے مقابلے میں تھوڑے ہوں تو دلبرداشتہ نہ ہوں بلکہ صبر و تحمل سے کام لیتے رہیں، نہ کہ کام کو اضافی محنت و مشقت محسوس کریں۔

تمام محققین اسی اصول پر متفق ہیں کہ تحقیق اور زندگی کی گہما گہمی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ محقق کے پاس صرف فراغت اور کتاب ہونی چاہیے۔ اس کے پاس گوشہ تو ہو سکتا ہے مگر گوشہ چمن نہیں۔ رشید احمد صدیقی، رشید حسن خان، ڈاکٹر گیان چند، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، قاضی عبدالودود، عندلیب شادانی، عبدالستار دلوی، مالک رام، پروفیسر محمد حسن، ڈاکٹر تنویر علوی، ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر ش اختر، سید

جمیل احمد رضوی، ڈاکٹر عطش درانی، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر تبسم کاشمیری وغیرہ سب اس بات سے متفق ہیں اور ڈاکٹر سید معین الرحمٰن مرحوم تو یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ:

''کارِ تحقیق نے کسی کام کا نہ رکھا۔''[۵]

اس ضمن میں رانا سلطان محمود اپنی کتاب میں یوں رقمطراز ہیں کہ:

''محقق اس وقت تحقیق کے میدان میں کامیاب ہوگا جب
وہ... پوری لگن اور تندہی سے اپنے کام میں محو ہو کر دن کا چین
اور رات کا سکون کام پر قربان کر کے اور شب و روز کی محنت
کے بعد ہی ایک محقق تحقیقی سرمایہ فراہم کرنے کے لائق ہو سکتا
ہے۔''[۶]

تحقیق کی تیسری شرط ''تکنیکی تعلیم و تربیت'' ہے۔ تحقیق کار جس میدان میں تحقیق کرے اس سے متعلقہ تکنیکی تعلیم و تربیت کا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ سب سے پہلے تو تحقیق کار کو اپنی زبان اور مضمون پر مکمل مہارت حاصل ہونی چاہیے۔ ڈاکٹر نذیر احمد کے بقول: ''محقق کو زبان اور علم زبان میں غیر معمولی دست گاہ ہونی چاہیے۔''[۷]

عربی، فارسی کلاسیکل زبانوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ اُردو کے محقق کو ان مضامین میں تھوڑی بہت مہارت ہونا انتہائی ضروری ہے۔ جس سے اردو کی ادبی تحقیق میں نمایاں فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ تاریخیں، تذکرے، ملفوظات، مکتوبات، دستاویزات اور اسی نوعیت کی دوسری کتابیں بکثرت فارسی میں ہیں جن کے حوالے اردو تحقیق میں لائے جاتے ہیں۔ پھر عربی سے کسی قدر واقفیت بذات خود اچھی اردو اور اچھی فارسی کے لیے بے حد ضروری ہے۔

محقق کا مطالعہ بھی وسیع تر ہونا چاہیے کیونکہ تحقیق کا موضوع، مسئلہ، فرضیہ، مفروضے وغیرہ اسی وسعت مطالعہ سے سامنے آ سکتے ہیں۔ اگر اردو زبان کو لیں تو اس کے حوالے سے تحقیق کے دائرے میں کثیر معلومات ہونی چاہئیں۔ مطالعہ وسیع ہو اور مطالعے کا یہ عمل کسی درجے پر آ کر رک نہیں جانا چاہیے بلکہ اس سے حوالے کی کتابوں تک عمدہ طور پر

رسائی حاصل کی جانی چاہیے۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی بیان کرتے ہیں کہ: ''محقق کا مطالعہ وسیع ہونا چاہیے کہ تحقیق کا دارومدار مطالعہ پر ہے۔''[۸]

محقق کو دستاویزات اور کتب خانے سے مواد کے حصول کا خاصہ تجربہ ہونا چاہیے۔ مشرقی مخطوطات کے ذخیروں کی بہت سی وضاحتی فہرستیں، بلند معیار کے حامل مستشرقین نے انگریزی میں مرتب کیں اسی طرح اردو زبان میں مشرقی مخطوطات کے ذخیروں کی جو اجمالی یا وضاحتی فہرستیں موجود ہیں انہیں دیکھنے کے لیے کتب خانوں میں جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اردو کے محققین کو اکثر فراہمی مواد کا بہت سا کام خود کرنا پڑتا ہے جسے انجام دینے کے لیے ترقی یافتہ ملکوں کی لائبریریوں کے منتظمین ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی محقق کو کتب خانوں اور شخصی ذخیروں سے مواد حاصل کرنے کی واقفیت ہونا انتہائی ضروری ہے اور ایسا تب ہی ہوسکتا ہے جب کتب خانے سے مواد کے حصول کا طریقہ آتا ہو۔

جہاں تک ایک محقق کو نتائج حاصل کرنے کے لیے استدلال، تفکر اور بیان یعنی اصول تحریر سے پوری آگہی ہونی چاہیے اس کے ساتھ تحقیق میں بنیادی اخلاقی امور کی تربیت بھی ہونی چاہیے۔ معلومات کے ماخذ کو صیغۂ راز میں رکھنا، کاپی رائٹ کا احترام کرنا، ردِعمل ہمیشہ مثبت ہونا، دوسروں کی عزتِ نفس کا خیال رکھنا اور تحقیقی متن میں اپنی ذات کے لیے ''میں'' اور ''میرے'' کے الفاظ استعمال نہ کرنا، وعدہ خلاف نہ ہونا، اپنی کوتاہیوں کا ذکر نہ چھپانا وغیرہ یعنی تحقیق کار یا محقق کو اخلاقی امور پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینے کی شرط نہایت ضروری ہے۔ عام طور پر دوسروں کی تحقیق سے استفادہ کرتے ہوئے ان کا حوالہ نہ دینا، غیر اخلاقی ہی نہیں بلکہ غیر تحقیقی عمل بھی ہے۔

المختصر ہم اس ساری بحث سے ان نتائج پر پہنچ سکتے ہیں کہ اگر ایک محقق تحقیق کرتے ہوئے ان شرائط پر پورا اترتا ہو تو اس کا شمار زمانے کے بہترین محققین میں ہوسکتا ہے۔

☆☆☆☆

حواشی

۱ جالبی، ڈاکٹر جمیل، تنقیدی اور تحقیقی موضوعات پر لکھنے کے اصول، نئی تنقید، کراچی: رائل کمپنی، اشاعت اول، ۱۹۸۵ء، ص: ۶۶

۲ عطش درانی، ڈاکٹر، جدید رسمیات تحقیق، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۵ء، ص: ۳۸

۳ عبدالحق، مولوی، مقدمہ سب رس، مرتب: ڈاکٹر عبادت بریلوی، لاہور، اردو مرکز، پہلا پاکستانی ایڈیشن، ۱۹۶۴ء، ص: ۲۷۱

۴ غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر، تحقیق کے بنیادی لوازم، مشمولہ تحقیق شناسی، مرتبہ: رفاقت علی شاہد، لاہور: القمر انٹر پرائزز، طبع اول، ۲۰۰۳ء، ص: ۳۳

۵ معین الرحمٰن، ڈاکٹر سید، تحقیق اور موضوع تحقیق، رسالہ تحقیق نامہ، ۹۶-۱۹۹۵ء، جی سی یو لاہور، شمارہ ۵، ص: ۹۴

۶ سلطان محمود، رانا، فن تحقیق، ''مبادیات: اصول اور تقاضے''، لاہور: علی پرنٹرز، ۲۰۰۵ء، ص: ۳۷

۷ نذیر احمد، ڈاکٹر، مضمون، ''تاریخی تحقیق کے بعض بنیادی مسائل'' مشمولہ تحقیق شناسی، مرتب: رفاقت علی شاہد، لاہور: القمر انٹر پرائزز، طبع دوم، ۲۰۰۳ء، ص: ۶۴

۸ ظہیر احمد صدیقی، پروفیسر ڈاکٹر، تنقید و تحقیق ادبیات، لاہور: جی سی یو، (شعبہ فارسی)، ۲۰۰۶ء، ص: ۲۸۵

☆☆☆☆

محقق کے اوصاف وفرائض

تحقیق کے ذریعے علم کے دائرے وسیع ہوتے ہیں اور تحقیقی عمل میں محقق بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ جس طرح تحقیق کا عمل حدود و قیود اور اصول وضوابط کا پابند ہوتا ہے۔ اسی طرح محقق کے لیے بھی کچھ قواعد یا اُصول وضوابط مقرر ہیں اور انہی اُصول وضوابط کو محقق کے فرائض یا اوصاف کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر گیان چند اور ڈاکٹر عطش درانی نے اپنی اپنی کتابوں میں محقق کی خوبیوں کو چار عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے جن میں کرداری، ذہنی، ادبی اور علمی ہیں جبکہ رانا سلطان محمود اور ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی نے اجتماعی طور پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

محقق کے ذہنی و کرداری اوصاف میں سب سے پہلا وصف تحقیقی شعور ہے۔ محقق کو خطرات پسند ہونا چاہیے تاکہ وہ رکاوٹوں کو عبور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور رد و قبول کی منازل سے آسانی سے گزر سکتا ہو۔ ڈاکٹر گیان چند کے بقول: ''کسی کے خوف سے حق گوئی سے باز نہ رہے۔''[۱]

محقق کو حق گوئی کا عادی ہونا چاہیے لیکن حق گوئی اور بے باکی کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ ہر لمحہ دوسروں کی مخالفت پر آمادہ ہو یا دوسروں کی غلطیاں ہی نکالنے کو اپنی تحقیق کا مقصد سمجھے۔ اسے یہ چاہیے کہ سچائی تک پہنچنے کی کوشش کرے اور اگر نتیجہ اس کی مرضی کے مطابق نہ نکلے تو پھر بغیر کسی شرط کے اسے تسلیم کرلے۔ غرور، تکبر یا احساس برتری محقق کا شیوا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں تحقیقی فکر کی مد میں نہیں آتیں۔ جمیل احمد رضوی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں: ''محقق کو انسان دشمن اور حد سے زیادہ تنقید کرنے والا نہیں ہونا چاہیے۔''[۲]

تحقیقی شعور کے ساتھ محقق کو تنقیدی شعور بھی رکھنا چاہیے۔ کیونکہ تنقیدی شعور ہونے کی وجہ سے وہ اہم اور غیر اہم یا ضروری اور غیر ضروری باتوں میں فرق کرسکتا ہے۔

محقق کی ایک اور خصوصیت منطقی ذہن کا مالک ہونا بھی ہے۔ وہ عقلیت پسند اور ایک منصف کی طرح غیر جانبدار، غیر جذباتی اور حقائق کا پرستار ہوتا ہے۔ تحقیق ایک ایسا تخلیقی عمل ہے جس میں صرف ایک جملہ تحریر کرنے کے لیے انتہائی محنت درکار ہوتی ہے۔ محقق نہ صرف اپنے عہد کے تاریخی، معاشی و معاشرتی حالات سے واقف ہو بلکہ وہ اپنے سے پیشتر حالات سے بھی واقف ہو۔

محقق میں استدلالی قوت ہونی چاہیے۔ جدت، ذکاوت اور اختراع محقق کی بنیادی ذہنی خصوصیات تصور کی جاتی ہیں۔ تحقیق میں بعض اوقات انتہائی صبر آزما لمحات بھی آتے ہیں۔ خصوصی طور پر مواد کی فراہمی، ذہن اور جسم کی محنت کا تقاضا کرتی ہے۔ مصادر کی تلاش میں کتب خانوں کی خاک چھاننا سخت جان لیوا کام ہے۔ مآخذ کی تلاش کے بعد حقائق کی ترتیب، تجزیہ اور نتائج کی پیش کش تک بہت سے مرحلے محقق کی قوتِ برداشت کا امتحان ہیں لہٰذا محقق میں صبر اور برداشت کا مادہ ہونا انتہائی ضروری ہے۔

کسی ڈگری کے حصول اور مالی فائدے کے لیے تحقیقی کام کا آغاز کرنا ضروری نہیں۔ آج کل لوگ ذاتی مفاد کے پیش نظر تحقیق کا بیڑا اٹھاتے ہیں جس وجہ سے ان کی تحقیق کا معیار بھی تسلی بخش نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر گیان چند کی رائے میں: ''محقق کو دیانتدار ہونا چاہیے وہ کسی ذاتی منفعت کے لیے تحقیق نہ کرے۔''[۳] دنیاوی شہرت یا شان و شوکت کی خواہش بری نہیں لیکن یہ تحقیق کا ثانوی فائدہ ہونا چاہیے۔ پہلا مقصدِ تحقیق، علم میں اضافہ ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر گیان چند اس ضمن میں مزید لکھتے ہیں کہ ''محقق کسی ڈگری کے حصول کے لیے تحقیق نہ کرے۔''[۴] محقق کی انا اور ہٹ دھرمی وہ کرداری خامیاں ہیں جو اس کے تحقیقی نتائج کو ناقابل یقین بنا دیتی ہیں۔ محقق تحقیق کے آغاز میں جو مفروضہ متعین کرتا ہے اگر بعد میں دلائل اس کو رد کردیں تو اسے انہیں ماننے میں دریغ نہیں کرنا چاہیے۔

محقق میں عجلت اور بے صبری نہیں ہونی چاہیے وہ محنت اور مشقت کا عادی ہو، کیونکہ اس کے بغیر تحقیق کے کسی بھی مرحلے میں آگے بڑھنا دشوار ہے۔ اسے بہت سے مآخذ

دیکھتا ہوتے ہیں بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ کام سچی لگن اور محنت کے بغیر نہیں ہو پاتے۔ اسے سخت محنت کا عادی اور اپنے مقصد سے بے پناہ رغبت ہونی چاہیے۔

تحقیق کا عمل ذہنی و جسمانی تندرستی کا تقاضا کرتا ہے۔ محقق کو چست و توانا ہونا چاہیے۔ مشاہدہ تیز اور انداز نپا تلا ہونا چاہیے۔ وہ شعوری طور پر ہر مفروضے کو مسئلے میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ وہ تجزیہ کر سکے اور فیصلہ کرنے میں کسی قسم کی دشواری محسوس نہ کرے۔ اچھا محقق پختہ اور مستحکم رویے کا مالک ہوتا ہے۔ ذہنی طور پر غیر جانبدار اور اپنے کام کی ذمہ داریوں کا خیال رکھنے والا ہو۔ اسے ہر قسم کے علاقائی، مذہبی، ذاتی و تاریخی تعصبات اور غلط فہمیوں سے مبرا ہو کر تحقیقی میدان میں اترنا چاہیے۔ مبالغہ آرائی اس کا شیوہ نہ ہو۔

محقق غیر مقلد مزاج ہو، اسے چاہیے کہ اس نے لوگوں سے جو سنا، یا خود جو اس کا خیال ہو، تحقیق کرتے وقت اسے اپنے ذہن میں نہ لائے۔ تلاش و جستجو کا مادہ رکھتا ہو، تشکیک پسند ہو، دوسروں کی فراہم کی گئی معلومات پر بغیر سوچے سمجھے یقین نہ کرے بلکہ اپنے ناقدانہ شعور اور تحقیقی صلاحیت سے کام لے کر اہم اور غیر اہم میں فرق محسوس کرے۔ محض دوسروں کی تنقید کرنے سے اجتناب کرے۔ ضعیف الاعتقاد اور مافوق الفطرت تصورات رکھنے والا شخص اچھا محقق نہیں ہو سکتا۔ اچھے محقق میں سائنسی مزاج اور نکتہ نظر ہونا چاہیے۔

پختہ یادداشت تحقیق کے عمل میں بہت مددگار ثابت ہوتی ہے۔ کار تحقیق میں بہت ساری کتابوں، رسالوں، اخبارات اور مخطوطوں کا مطالعہ کر کے ان کا جائزہ لینا پڑتا ہے اور ان معلومات کو ذہن نشین بھی رکھنا پڑتا ہے اگر وہ ایسا نہیں کر سکے گا تو اسے متعدد بار ایک ہی عمل سے گزرنا ہوگا۔ یوں اس کا وقت اور محنت دونوں کا زیاں ہو سکتا ہے۔

محقق ذاتی دلچسپی اور فطری میلانات کے مطابق، ماحول اور تعلیم و تربیت سے اثر پذیر ہو کر ادبی اور علمی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ گیان چند کی رائے کے مطابق ''محقق کو ادبی علوم سے واقفیت ہونا چاہیے۔''[۵] بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسے ادبی ذوق کا مالک بھی ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے خیال میں:

''محقق کو دستاویزات کے فن سے واقفیت ہونی چاہیے وہ ہر

دور کی دستاویزات کا بغور مطالعہ کرے۔ کاغذ سازی کی تاریخ سے واقفیت ہو، روشنائی کی قدامت کا اسے علم ہو، ہر عہد کے طرز املاء اور لسانی خصوصیات سے پوری واقفیت ہو اور عہد بہ عہد رونما ہونے والی لسانی تبدیلیوں سے آگاہ ہو۔''[۶]

ڈاکٹر شں اختر محقق کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ اُسے ''علم نفسیات کے اصولوں کا علم ہونا چاہیے اور اُسے انسانی نفسیات کا تجربہ بھی درکار ہے۔''[۷] جمیل احمد رضوی ایک محقق کے بارے میں یوں رائے دیتے ہیں:

''محقق کے پاس تاریخی اور عام معلومات کا وافر ذخیرہ ہو۔ اس کے علاوہ دوسرے علوم مثلاً لسانیات، کیمیا، بشریات، علم آثار قدیمہ، نقشہ کشی، علم مسکوکات، آرٹ، لٹریچر، کتبہ خوانی یا مختلف قدیم اور جدید زبانوں کا بھی علم ہونا چاہیے۔''[۸]

محقق کی علمی خصوصیات کے حوالے سے دیکھیں تو ایک اچھے محقق میں اخذ و انتقال، ذہن کی تیز رفتار طاقت ہونی چاہیے۔ عقلی علوم، ذہنی تربیت میں کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان علوم کی باقاعدہ تحصیل ضروری نہیں۔ تحقیق میں نفسیات سے بہت کام لینا پڑتا ہے۔ لہٰذا محقق کے پاس نفسیات کا علم ہو۔ اس کے علاوہ محقق کو زبان اور علم زبان میں غیر معمولی مہارت ہونی چاہیے۔ محقق کو فن تنقید میں مناسب صلاحیت رکھنی چاہیے۔ محقق کے لیے فن مخطوطات سے استفادہ اور ان کی حفاظت، مشرقی علوم کی تحقیقات میں خطاطی اور اس کی پوری تاریخ سے واقفیت بہت ضروری ہے۔ محقق کو ہر دور کی املائی خصوصیات کا علم ہونا چاہیے۔ گویا محقق کے پاس سائنس دان کا دماغ، انشاء پرداز کا زور قلم، نقاد کی فکر و نظر، مورخ کا ذہن اور زبان عالم کی سوجھ بوجھ ہونی چاہیے۔

ادبی و لسانی علوم کی واقفیت کے ضمن میں اصول تنقید، علم زبان، علم عروض، تاریخ گوئی، علم بیان، علم قافیہ وغیرہ آتے ہیں۔ ڈاکٹر عطش درانی نے نو آموز محقق کے لئے ادبی و لسانی علوم سے واقفیت کے سلسلہ میں کیا خوب کہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"ان میں اُصول تنقید، علم عروض، تاریخ گوئی، علم بیان اور علم قافیہ، لسانیات یعنی صوتیات، وغیرہ آتے ہیں۔ کسی کا کلام مدون کرنا ہو تو عروض کی واقفیت بطور خاص ضروری ہے۔ تاریخ گوئی سے واقفیت نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ تاریخ کے غلط اعداد نکال بیٹھیں گے۔ علم صوت اور صوتیات میں امتیاز معلوم نہ ہو تو ایک میدان کی لسانی تحقیق دوسرے کے کھاتے میں ڈال دیں گے۔"[۹]

محقق کو اپنے موضوع کا بہترین علم ہونا چاہیے۔ اسے وہ زبانیں جاننی چاہیے جن کی مدد سے وہ اپنے موضوع کے مصادر تک براہ راست پہنچ سکے۔ اردو ادب کے قدیم سرمائے کا فارسی سے بہت گہرا تعلق ہے اس لیے اردو کے محقق کو چاہیے کہ وہ فارسی زبان و ادب سے مکمل طور پر واقفیت رکھے۔

محقق کو کوشش کرنی چاہیے کہ ان کی تصنیف و تالیف میں صحت اور بات میں سچائی اور گہرائی ہو۔ کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے نہ ہو۔ اس کے مقالے میں اختصار ہو اور بے جا لفاظی سے گریز کیا جائے۔ محقق کو دوسرے لوگوں کی نقل کر لینے کی بجائے اصل حقائق جمع کرنے چاہئیں پھر ان کا تجزیہ بھی کرنا چاہیے۔ اُسے اپنے مقالے میں سطحیت پیدا نہیں ہونے دینا چاہیے بلکہ مقالے کے بیشتر مآخذ تک رسائی حاصل کرے اور اگر یہ مآخذ کسی اور زبان میں ہوں تو اس زبان کو خود سیکھے اور ترجموں پر بھروسہ نہ کرے۔

الختصر کہ نئے تحقیق کار کا مزاج، تحقیق سے دلچسپی، حق گوئی اور غیر جانبداری کا ہونا چاہیے۔ دوسرے اوصاف خود بخود آہستہ آہستہ پیدا ہوتے جائیں گے۔ جوں جوں وہ تحقیق میں آگے بڑھے گا توں توں اس میں مواد تلاش کرنے، پرکھنے اور ترتیب دینے کی صلاحیت پیدا ہوتی جائے گی۔ اگر درج بالا اوصاف ایک محقق میں پیدا ہو جائیں تو وہ یقیناً ایک پختہ کار محقق بن جائے گا۔

☆☆☆☆

حواشی

۱ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲ء، ص: ۴۲

۲ جمیل احمد رضوی، سید، لائبریری سائنس اور اصول تحقیق، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص: ۱۳۸

۳ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲ء، ص: ۴۰

۴ ایضاً

۵ ایضاً، ص: ۴۵

۶ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ادبی تحقیق کے اصول، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص: ۱۱۵

۷ ش اختر، تحقیق کے طریقہ کار، گیا: تاج پریس باری روڈ، س ن، ص: ۳۳

۸ جمیل احمد رضوی، سید، لائبریری سائنس اور اصول تحقیق، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص: ۱۳۸

۹ عطش درانی، ڈاکٹر، جدید رسمیات تحقیق، لاہور: اُردو سائنس بورڈ، طبع اوّل، ۲۰۰۵ء، ص: ۴۷

☆☆☆☆

محقق کی مشکلات

اردو میں ادبی تحقیق کی روایت کے باقاعدہ اصول ونظریات مرتب ہوئے، ایک صدی بھی نہیں گزری۔ اردو تحقیق کے اولین مباحث کا مآخذ زیادہ تر انگریزی کا تحقیقی طریق کار ہے۔ ہمارے بیشتر محققین نے انگریزی ریسرچ میتھاڈالوجی سے استفادہ کیا ہے۔ اردو ادب میں تحقیق کے اصول انگریزی روایات کے تتبع میں اختیار کیے گئے ہیں۔ تحقیق ایک کٹھن مرحلہ ہے اور کام میں محقق کو قدم قدم پر بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ذیل میں یہ دیکھنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جب ایک محقق کار تحقیق میں قدم رکھتا ہے تو اسے کن کن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔

تحقیق کی عملی دنیا میں محققین کو جو مشکل سب سے پہلے پیش آتی ہے۔ وہ موضوع کا انتخاب ہے۔ پاکستان کی بے شمار تعلیمی درسگاہوں اور اداروں میں تحقیقی کام ہو چکا ہے اور مسلسل ہو بھی رہا ہے۔ اس وجہ سے بہت سے موضوعات کی کھپت ہو چکی ہے اور تحقیقی کام کرنے والوں کو مناسب موضوع کا انتخاب کرنے میں خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ وہ اپنے نگران یا اساتذہ کے آگے پیچھے بھاگے پھرتے ہیں۔ اگر ملک کے نامور محقق حضرات ایسے موضوعات کی فہرست تیار کر دیں کہ جن پر نوآموز محقق کام کر سکیں تو اس مشکل کا حل نکل سکتا ہے۔ جامعات بھی اگر اپنے شعبوں میں ہونے والے تحقیقی کام کی فہرست شائع کر دیں تو بھی اس مسئلے کو حل کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ دوسرا یہ کہ ہمارے ہاں مختلف تعلیمی اداروں کے محققین کے درمیان کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔ ایک ہی وقت میں ایک ہی موضوع پر مختلف تعلیمی اداروں میں کام ہو رہا ہوتا ہے۔ مگر اس بات کا علم محققین کو نہیں ہو پاتا۔ یوں جو کام ہوتا ہے اس میں تکرار پائی جاتی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ سرمایہ بھی ضائع ہوتا ہے۔ تحقیق کی دنیا میں تنظیم اور منصوبہ بندی سے تحقیقی کاموں کو منظم کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو ناقص

منصوبہ بندی بھی محقق کے لیے مشکلات کا باعث بن جاتی ہے۔ نوآموز تحقیق کار کو تحقیقی کاموں سے لاعلمی کے بارے میں پروفیسر محمد حسن یوں لکھتے ہیں:

> ''اردو میں تحقیق کے میدان میں یہ معلومات بھی بہم نہیں پہنچتیں کہ کن کن موضوعات پر کام ہو چکا ہے اور کن کن موضوعات پر اب تک کون کون سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔''[۱]

ملک کی سبھی جامعات میں تحقیق کا طریق کار مختلف ہے۔ تحقیقی کار میں یکسانیت کا فقدان ہے۔ کہیں کتابت کے فاؤنٹ اور لفظ کا سائز کچھ ہے تو کہیں کچھ، مقالے میں حاشیہ کتنا چھوڑنا ہے یہ بھی مختلف طریقے ہیں۔ سرورق کیسا ہو۔ جب صفحے پر عنوان دیا جائے تو اس کا اندراج کیسے ہو۔ مقالے کی جلد کا رنگ ہر یونیورسٹی یا تحقیقی ادارہ مختلف رکھتا ہے۔ مقالے کی ضخامت کا تعین نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ ساری صورتحال ایک نوآموز محقق کے لیے مشکلات کے سامان پیدا کرتی ہے۔ اگر ان اُمور کے لیے ایک یکساں اور متفقہ انداز کو اپنایا جائے تو محققین مشکلات سے بچ سکتے ہیں۔ بعض اوقات تو تجربہ کار محققین بھی تحقیق کے بنیادی اُصولوں سے واقفیت نہیں رکھتے۔ لہٰذا نوآموز محقق کے لیے تو بنیادی اصولوں سے ناواقفیت یقینی طور پر مشکلات کا باعث بن سکتی ہے۔ پہلے پہل تو جامعات میں ماقبل تحقیق کسی قسم کا کورس پڑھایا نہیں جاتا تھا لیکن آج کل ملک کی تقریباً تمام یونیورسٹیوں میں ماقبل تحقیق (Pre Research) کورسز کا اجراء ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر تحقیق کار ان کورسز کو ذمہ داری کے ساتھ پڑھ لیں تو بہت سی مشکلات سے بچ سکتے ہیں۔

مصادر کی فراہمی کا مرحلہ بہت صبر آزما ہے اور سخت محنت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس مرحلے میں محقق کو تحقیق کی عملی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اردو میں مختلف نوعیت کی فہارس، کتابیات اور دیگر حوالہ جاتی کتابوں کی کمی ہے کتب خانوں میں بہت کام کی چیزیں موجود تو ہوتی ہیں لیکن فہرستوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے محقق کو ان کے بارے میں علم نہیں ہو پاتا۔ اگر علم ہو بھی جائے تو کتب خانے میں کتاب موجود نہیں ہوتی، یہ صورتحال انتہائی کوفت کا باعث بنتی ہے۔ اور اگر کتب خانے کی سروس بھی غیر تسلی بخش ہو پھر تو اللہ ہی حافظ ہے۔ بعض

محققین ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انہیں کتب خانوں کا علم ہی نہیں ہوتا، دوسرا یہ کہ نادر کتابوں کے معلوم کرنے کا بھی کوئی ذریعہ معلوم نہیں ہوتا۔ اس لیے نئے نئے موضوعات کا علم نہ ہو سکنے کی صورتحال بھی ان کے لیے مشکلات کا باعث بنتی ہے۔

ایڈیٹنگ کی نزاکتوں اور دشواریوں کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ ان کو پیش نظر نہ رکھنے کی بنیاد پر غلط نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ جو بعد میں محقق کے لیے دشواریوں کا باعث بن جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں تحقیق کے لیے وسائل بہت ہی محدود ہیں اور جب ایک نوآموز محقق ان محدود وسائل کے ساتھ تحقیق میں کسی نتیجے پر پہنچتا ہے تو مزید مواد کی دریافت کے بعد وہ ہر لمحہ تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یوں محقق مشکل میں پڑ جاتا ہے۔ حقیقی کامیابی تک پہنچنے کے لیے حقیقت تک رسائی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔

تحقیق کا کام پر اعتماد ہو کر کرنا پڑتا ہے۔ بعض محققین میں اعتماد کی کمی بھی مشکلات کا باعث بن جاتی ہے۔ وہ بول تو سکتے ہیں لیکن لکھ نہیں سکتے، لکھتے ہیں کاٹتے ہیں، لکھتے ہیں کاٹتے ہیں۔ یہ صورتِ حال بھی محقق کے لیے مشکلات پیدا کر دیتی ہے۔ پرانی بیاضوں میں کسی وجہ سے ایک شاعر کا کلام دوسرے شاعر کے کلام میں شامل ہو جاتا تھا۔ ایسی صورتِ حال میں اصل اور الحاق کا تعین کرنا جس درجہ مشکل ہے اس کا بیان کرنا ہی مشکل ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ نقطوں اور شوشوں کی وجہ سے ہمارے متون جس قدر غلط ہوتے ہیں ان کا اندازہ لگانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اردو اور فارسی میں تو یہ مشکل عام پائی جاتی ہے کیونکہ ان زبانوں میں نقطوں اور شوشوں کا استعمال دوسری زبانوں سے قدرے زیادہ ہے۔ ایک سے زیادہ نقطوں والے الفاظ کے تسلسل و تواتر کی وجہ سے اکثر محقق یا تدوین کار کو دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اردو، فارسی، عربی حروف اور اعراب لفظی و معنوی مشکلات کا باعث بنتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر نذیر احمد لکھتے ہیں:

> ''نقطوں اور شوشوں کی وجہ سے ہمارے متون جس قدر غلط ہوتے ہیں، ان کا اندازہ آسانی سے نہیں لگایا جا سکتا۔ دنیا کی کسی زبان میں اتنے اختلافِ نسخ نہیں ہوتے جتنے اُردو اور

> فارسی میں ہیں''[۲]

پرانے زمانے میں کاتب مسودے کی کتابت کرتا تھا۔ آج کل تو یہ صورتِ حال نہیں ہے۔ کاتب کی جگہ کمپیوٹر نے لے لی ہے۔ لیکن ہمارے محقق کو آج کے دور میں اُن کاتبوں کے ہاتھ کی کتابت کی گئی کتابوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ کاتب بعض اوقات خود سے یا سہواً غلطی کر جاتا ہے۔ اس کی بھول چوک بھی تحریر کا مفہوم اور مطالب و معنی سمجھنے میں مشکل پیدا کر دیتی ہے۔ پھر کتابت صاف اور معیاری نہ ہونے کے باعث متن کے مطالعہ و تفہیم میں شدید دشواری پیش آتی ہے۔ جو ایک محقق کے لیے بہت ساری مشکلات کا باعث بنتی ہیں۔ کبھی کبھی یوں بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی مصنف نے جذبات پر قابو نہ رکھنے کی وجہ سے ایک جذبے کے تحت کسی ایک چیز کی برائی کر دی تو دوسرے جذبے کے تحت تعریف کر دی۔ یہ بات بھی ہمیں صحیح صورتِ حال تک پہنچنے میں مشکل پیدا کر دیتی ہے۔ مصنف کی غیر ارادی غلطیاں بھی تدوین کار کے لیے شدید مشکلات کا باعث بن جاتی ہیں۔

انہی باتوں کا اظہار رانا سلطان محمود کچھ اس طرح کرتے ہیں:

> ''۱۔ ایک سے زیادہ نقطوں والے الفاظ کے تسلسل و تواتر کی وجہ سے اکثر اوقات محقق یا تدوین کار کو دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔
>
> ۲۔ بعض اوقات کتابت صاف اور معیاری نہ ہونے کے باعث متن کے مطالعہ و تفہیم میں شدید دشواری پیش آتی ہے۔
>
> ۳۔ مصنف کی غیر ارادی غلطیاں بھی تدوین کے کام میں شدید دشواری پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں۔
>
> ۴۔ کتابت کرنے والے کی بھول چوک یا سہو و خطا کے باعث بھی تحریر کا مفہوم کہیں سے کہیں جا پڑتا ہے اور تدوین کار کو مطالب و معنی سمجھنے میں بہت دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۵۔ بعض اوقات ناقل نقل کرتے ہوئے کچھ حصے ارادی یا غیر ارادی طور پر چھوڑ دیتا ہے اور تقابل و موازنہ کے عمل میں تدوین کار کے لیے الجھن پیدا ہوتی ہے۔"[۳]

مختلف دیوانوں کے مجموعہ جات بھی مشکل میں ڈال دیتے ہیں۔ ایک ہی مجموعہ میں بہت سارے شعرا کا کلام اکٹھا کیا جاتا تھا، صرف درمیان میں ایک صفحہ ہوتا تھا جس پر دوسرے شاعر کا نام ہوتا تھا اور اگر درمیان سے وہ ورق نکل جائے جس پر شاعر کا نام ہے۔ تو شاعروں کا کلام گڈمڈ ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ایک ہی تخلص رکھنے والے شاعروں کے کلام کا اندازہ لگانا بھی مشکل میں ڈال دیتا ہے۔

الحاق کلام کے سلسلہ میں ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی لکھتے ہیں:

"منتخب دیوانوں کا مجموعہ بھی بڑا التباس پیدا کرتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ درمیان میں سے وہ ورق نکل جاتا ہے۔ جس پر شاعر کا نام درج ہوتا ہے تو سارا کلام اس سے پہلے کے شاعر کے نام منسوب ہو جاتا ہے، خصوصاً ایسا کلام جس میں تخلص کم آتا ہے۔ قصیدوں اور رباعیوں میں الحاق کی بڑی وجہ یہی ہے۔"[۴]

ڈاکٹر تنویر احمد علوی الحاق الکلام کے سلسلے میں یوں لکھتے ہیں:

"ترتیب دیوان کی راہ ہنتخواں کا سب سے بڑا طلسم الحاق الکلام ہے جس کی متنوع اور گوناگوں مثالیں اُردو شعرا کے دواوین میں ملتی ہیں۔ الحاق کہیں تو کاتب کی لاعلمی یا بد احتیاطی کی وجہ سے عمل میں آتا ہے یا پھر وہ کسی ارادت وعقیدت اور خلوص کے زیر اثر کیا جاتا ہے۔"[۵]

بعض اوقات کچھ محققین کو چند مسودوں کو سامنے رکھ کر ان کا تقابل کرنا ہوتا ہے۔ اور اگر یہ مسودات خطی ہوں اور نقل در نقل ہوں تو مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب ناقل

نقل کرتے ہوئے کچھ حصے ارادی یا غیر ارادی طور پر چھوڑ دیتا ہے۔ یہ صورت حال محقق کو تقابل کرتے وقت بہت مشکل میں ڈال دیتی ہے۔

المختصر تحقیق کا عمل ایک انتہائی مشکل کام ہے۔ ایک محقق جب تحقیقی عمل کا آغاز کرتا ہے تو اس کے راستے میں بے شمار رکاوٹیں آتی ہیں اگر وہ ایک کو ہٹاتا ہے تو اس کی جگہ دوسری لے لیتی ہے۔ یہ بہت صبر آزما کام ہے لیکن صبر ہی ایک ایسی چیز ہے جو سچی لگن کے ساتھ مل کر ایک نو آموز محقق کی مشکلات کا حل نکال سکتی ہے۔

☆☆☆☆

حواشی

۱۔ محمد حسن، پروفیسر، ادبی تحقیق کے بعض مسائل، مشمولہ، اردو میں اصول تحقیق، جلد دوم، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۰۷

۲۔ نذیر احمد، ڈاکٹر، مقالہ، تاریخی تحقیق کے بعض بنیادی مسائل، مشمولہ، تحقیق شناسی، مرتبہ: رفاقت علی شاہد، لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۰۳ء، ص: ۶۰

۳۔ رانا سلطان محمود، فن تحقیق: مبادیات، اُصول اور تقاضے، لاہور: بک ٹاک، ۲۰۰۵ء، ص: ۲۴۵۔۲۴۶

۴۔ عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر، مبادیات تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، س ن، ص: ۷۷

۵۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، مقالہ، قدیم دواوین کی ترتیب کے مسائل، مشمولہ، اردو میں اُصول تحقیق، جلد دوم، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۱۵

☆☆☆☆

اخلاقیات وآداب تحقیق

جس طرح انسانی جسم روح کے بغیر بے معنی ہے اسی طرح زندگی بھی کائنات کی روح کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ روح مختلف دنیاوی اشکال کی صورت میں نظر آتی ہے۔ انسانی زندگی ان تمام اشکال میں سب سے مکمل ہے جس کی تکمیل آزادی سے ہوئی۔ کائنات میں زندگی تین صورتوں میں دکھائی دیتی ہے۔ یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات، یہ تینوں اپنی فطری اور قدرتی پابندیوں کی وجہ سے یکساں ہیں۔

کائنات میں انسان کے لیے بہتر طریقے سے زندگی گزارنے کے لیے اخلاقی اصولوں اور اخلاقی قدروں کی پابندی کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ یہی پابندی ہے جو زندگی کے ارتقائی سفر میں انسان کو بے راہ روی اور بداخلاقی سے باز رکھتی ہے۔ ادب زندگی کی تفسیر کا نام ہے۔ ادب اور زندگی کا ساتھ انتہائی گہرا ہے۔ ادب اور زندگی کے بعد ادب اور اخلاق کا رشتہ بنتا ہے۔ اگر انسان کو اپنی زندگی بہتر طریقے سے گزارنے کے لیے اخلاقیات و آداب کا سہارا لینا پڑتا ہے تو اپنی ادبی نگارشات یا ادبی تحقیقی کاموں میں اخلاقی قدروں کی پاسداری کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔

تحقیق صداقت و عدل، محنت و لگن اور تکنیکی تعلیم و تربیت کا دوسرا نام ہے۔ دیانتداری اس کا سب سے بڑا اخلاقی پہلو ہے۔ لہٰذا اس حوالے سے چند گزارشات نہایت اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

نوآموز محقق کو اپنی تحقیق کے دوران مختلف ذرائع سے مواد کو اکٹھا کرنا پڑتا ہے۔ ان ذرائع کا کھلے دل سے اعتراف کرنا اس کے قد کو بڑھاتا ہے۔ اس کا مقام و مرتبہ بلند کرتا ہے اور اگر وہ اعترافات سے دامن بچاتا ہے تو وقت یا زمانہ اسے کسی نہ کسی مقام پر جھونا گردانتا ہے۔ تب محقق کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہتا لہٰذا اس خفگی سے بچنے کے لیے

اسے چاہیے کہ اگر اس نے کسی کتاب یا مضمون سے کچھ اہم معلومات حاصل کی ہیں تو اسے اپنی کتاب یا مقالے میں ابتدائی صفحات یا اس متعلقہ باب میں اس بات کا اعتراف ضرور کرے۔

بعض اوقات محقق کو کارِ تحقیق مکمل کرنے کے لیے کسی شخصیت سے زبانی گفتگو بھی کرنی پڑتی ہے جس کا تحریری ثبوت نہیں ہوتا۔ لیکن ادبی اخلاقیات کا تقاضا ہے کہ اس شخصیت سے کی گئی گفتگو کو اس شخصیت کے شکریے کے ساتھ تحریر کرے، ساتھ زبانی روایت کا حوالہ بھی ضرور دے۔ معلومات کے علاوہ بھی کئی قسم کی مدد محقق افراد سے لیتا ہے۔ وہ فرد جو مدد کر رہا ہے بے شک بڑا ہے یا چھوٹا اس کی مہربانی کا اعتراف انتہائی ضروری ہے۔ علمی خدمت کرنے والے ہر شخص کا شکریہ تخلیق کے شروع میں ''اظہارِ تشکر'' کے طور پر کرنا محقق کا اخلاقی و ادبی فرض ہے۔

کارِ تحقیق محقق سے غیر جانبدارانہ رویے کا تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا محقق کو اپنے عقیدے، فرقے، یا علاقے کی بے جا حمایت اور دوسرے عقیدے، فرقے یا علاقے کی مخالفت برائے مخالفت سے انتہائی حد تک پرہیز کرنا چاہیے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ ادبی و لسانی گروہ بندیاں کی گئی ہیں ہر شخص صرف اپنی رائے کو اہمیت دینا پسند کرتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ ادبی اور لسانی گروہ بندیوں سے اجتناب کرنا چاہیے اور اپنے موقف کی صرف تائید ہی نہ کریں اگر اس کے خلاف بھی شواہد میسر آئیں تو ان کو بھی قاری کے سامنے پیش کریں۔ کیونکہ تحقیق محقق سے صرف غیر جانبداری اور عدل و انصاف کی توقع رکھتی ہے۔

محقق کو اپنی تحقیق کو دلائل و ثبوت کے ساتھ قاری کے سامنے پیش کرنے کے لیے مختلف مآخذ سے بھی مدد لینی پڑتی ہے۔ وہ مآخذ بطور حوالہ کے آتے ہیں لہٰذا ان حوالوں کو دیانتداری کے ساتھ دینا پڑتا ہے۔ بعض اوقات محقق کسی حوالہ کو کسی دوسری کتاب سے حاصل کرتا ہے۔ یوں اس نے اصل کتاب کو دیکھا نہیں ہوتا۔ اس صورت میں ایک دیانتدار محقق سے توقع کی جاتی ہے کہ جو مآخذ یا کتاب اس نے خود نہیں دیکھی ہوتی بلکہ کسی اور مآخذ

سے اس کے متعلق معلومات حاصل کرتا ہے تو اسی دیگر ماخذ یعنی واقعی ماخذ کا ہی حوالہ دے۔ اصل کتاب کا حوالہ دینا جو کہ کسی اور ماخذ میں درج ہے تحقیق کے آداب و اخلاقیات میں شمار نہیں ہوتا۔

محقق جب کسی کے تحقیقی کام کا جائزہ لے رہا ہوتا ہے تو اس میں چند اغلاط کی اسے نشاندہی ہوتی ہے۔ ان اغلاط کو درست کرنا بھی محقق کی ذمہ داری میں شامل ہو جاتا ہے۔ اغلاط کو درست کرنا تو ضروری ہے لیکن ان اغلاط کی نشاندہی یا درستی کسی عناد کے تحت نہ ہو بلکہ متن کی صحت کی اشاعت کی خاطر ہونی چاہیے۔ اس کام کو انجام دینے کے لیے محقق کو غیر جذباتی اور اخلاقی رویہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ یہاں محقق کو غیر جذباتی اور اخلاقی انداز میں ان اغلاط کو لکھنا پڑتا ہے۔ ایسا اس وقت ہوگا جب محقق کے اندر تکبر و غرور اور دوسروں سے برتری کا احساس نہ ہوگا۔

محقق کسی کی تخلیق پر اعتراضات کرنا چاہیے تو ضرور کرے لیکن اعتراضات کرتے ہوئے اس طنز اور مذاق جیسی لعنت سے پرہیز کرنا ہوگا۔ اعتراضات کی نشاندہی کرتے وقت اخلاق کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہیے۔ یوں بھی دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی محقق کسی نامور ادیب یا نقاد یا محقق کی غلطیوں کی نشاندہی کرنا چاہتا ہے تو اسے ذاتی مفادات یاد آجاتے ہیں۔ وہ اس بڑے نام سے مرعوب ہو کر یا اس سے اپنے فائدے کی خاطر اس کی اغلاط کی نشاندہی کرنے سے پرہیز کرتا ہے۔ ایماندار، محنت و لگن سے کام کرنے والے اور صداقت و انصاف کرنے والے محقق کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ لہٰذا اس کی اغلاط کی نشاندہی سے قطع نظری نہیں کرنی چاہیے۔

اغلاط پر اعتراض کے بارے میں ڈاکٹر گیان چند تفصیل سے اشارہ کرتے ہیں:

> "(الف) اغلاط کی نشاں دہی کسی عناد کے تحت نہیں، بلکہ محض صحت کی اشاعت کی خاطر کرنی چاہیے۔ اس لیے غیر جذباتی اور خلق آمیز انداز میں لکھیے۔
>
> (ب) احساس برتری کو نہ دل میں، نہ تحریر میں آنے دیجیے۔

خود کو ہمہ داں اور دوسرے کو ہیچ مداں نہ سمجھیے۔

(ج) اعتراضات میں طنز و تمسخر نہ ہو۔

(د) کسی بڑے نام سے مرعوب ہو کر اس کی غلطیوں کی نشاں دہی سے نہ چوکیے۔ تحقیق میں بے خوفی ضروری ہے۔ دریدہ دہنی نہیں۔"[1]

یہاں تک محقق دوسروں کی اغلاط یا کوتاہیوں کی نشاندہی کرتا ہے، تحقیقی کاموں میں اس سے بھی ذاتی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ ان ذاتی غلطیوں یا کوتاہیوں کا اعتراف بھی اس کے لیے لازم ہے۔ اس کا یہ فعل بھی آداب و اخلاقیات میں شمار ہوگا۔ محقق کو اگر کار تحقیق میں اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا پتہ چلتا ہے تو اسے ان کے اعتراف میں دیر نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کسی دوسرے نے محقق کی تحقیقی غلطی کی نشاندہی کی ہے تو اسے اس کا دشمن نہیں ہو جانا چاہیے بلکہ اس کا فراخ دلی سے شکر گزار ہونا چاہیے۔

تحقیقی کام محنت اور لگن کا تقاضا کرتا ہے جس کے ساتھ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنا نہیں چاہیے۔ اس لیے تحقیقی کاموں میں کسی دوسرے محقق سے کام جلد کرنے کی خواہش میں کام کی تکمیل میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ ناقص کام کر کے قاری کے سامنے رکھنے سے شرمندگی اور ندامت ہوگی۔ اعزاز کی بات یہ ہے کہ کام پختہ طریقے سے دلائل و ثبوت کے ساتھ قارئین کی نظروں کی لذت کو پورا کرے۔

اگر ایک محقق کسی موضوع پر کام کر رہا ہے اور اس عرصہ میں کسی دوسرے محقق نے وہی کام مکمل کر لیا، تو اس محقق سے ناراضگی کا اظہار مناسب نہیں ہے۔ اس کے ساتھ تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اگر ایک محقق کے کام کی تکمیل کے بعد اسی موضوع پر کسی دوسرے محقق نے کام کے دوران پہلے محقق کی بعض غلطیوں یا کوتاہیوں کی نشاندہی کی ہے اور بعد میں کام کرنے کی وجہ سے پہلے محقق سے کام بہتر کیا ہے تو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے بلکہ تحقیق پہلے محقق سے اخلاقی رویے کا تقاضا کرتی ہے۔

رشید حسن خان اخلاقیات و آداب تحقیق کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تحقیقی کاموں کے جو منصوبے تیار کئے جائیں، وہ سراسر علمی
مقاصد کے حصول کے لئے ہوں، دوسرے اغراض کی لاگ
نہ ہو۔ تحقیق کے صحیفۂ اخلاقیات کا یہ سب سے پہلا اور سب
سے اہم ضابطہ ہونا چاہیے۔"[۲]

تحقیق کے آداب و اخلاقیات کے ضمن میں گزارشات بیان کی گئیں۔ ان کا اطلاق کسی تحقیقی مقالہ کی تکمیل تک ہوتا ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی چند معروضات ہیں جن کا اطلاق کاپی رائٹ یا نقل کے حقوق کے حوالے سے ہوتا ہے۔ ان باتوں کو کسی مقالہ کی اشاعت کے وقت مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں چند اخلاقی نکات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

مقالے کو ترتیب دیتے ہوئے، تسوید سے لے کر تبییض تک اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کسی بھی کام کو اول سے آخر تک نقل کرنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ مواد کو اپنے الفاظ میں لے کر نئی ترتیب و تدوین کے ساتھ پیش کرنا چاہیے اور ایسا کرنے کا حق ہر محقق کو حاصل ہے۔

تاریخی حقائق اور تسلیم شدہ معلومات پر کاپی رائٹ کا اطلاق ہرگز نہیں ہے۔ اگر کسی تحقیق کار کے نتائج کو ہو بہو اپنے مقالہ میں جگہ دینا درکار ہو تو اس کے لیے ماخذ کا حوالہ دینا انتہائی ضروری ہے۔ اگر مصنف کا سالہا سال سے اتا پتا نہیں ہے تو پھر کاپی رائٹ کی حد سے تخلیق باہر سمجھی جاتی ہے۔ لیکن یہاں بھی ادبی و تحقیقی اخلاقیات آڑے آسکتی ہیں۔

دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی ادارہ یا مصنف کسی کتاب کو شائع کراتا ہے تو اس پر "جملہ حقوق بحق پبلشرز یا مصنف محفوظ ہیں" کے الفاظ درج کر دیتا ہے۔ ایسا کام مالی فائدے کے لیے کیا جاتا ہے۔ جب تک مصنف یا ادارے کی تخلیق چھپ نہیں جاتی تب تک کاپی رائٹ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ کاپی رائٹ کا حق عموماً مصنف یا تخلیق کار کا ہوتا ہے لیکن بعض صورتوں میں ادارے یا ناشر کا بھی ہوتا ہے۔

کاپی رائٹ کے سلسلہ میں ڈاکٹر عطش درانی کیمشوریملا خطہ کیجئے:

"(۱) کسی بھی کام کو تمام کا تمام نقل نہیں کیا جاسکتا۔ تمام تر

اقتباسات ملا کر آٹھویں حصے سے زیادہ مواد نہ لیا جائے۔

(۲) اگر مواد اپنے الفاظ میں لیا گیا ہو اور اس میں تبصرہ بھی شامل ہو تو اس پر آٹھویں حصے کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ نئی ترتیب و تدوین آپ کا حق ہے۔

(۳) حقائق اور مسلم معلومات پر کاپی رائٹ کا اطلاق نہیں ہوتا، ترتیب اور پیشکش کے انداز پر ہوتا ہے۔ وہ بھی جزوی پیشکش کی صورت میں نہیں۔

(۴) کسی کے تمام نتائج من و عن مگر حوالے کے ساتھ بیان کیے جاسکتے ہیں۔

(۵) ایک مدت (عمر + ۴۰ یا ۵۰ سال) کے بعد کسی مصنف کا کاپی رائٹ نہیں رہتا لیکن پھر بھی دوسروں کے "گناہ" و "ثواب" اپنے سر لینے کی کوشش نہ کریں۔

(۶) کاپی رائٹ کا تعلق مالی منفعت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جب تک کوئی شے شائع ہو کر فروخت نہیں ہوتی یا اس کا امکان نہیں ہوتا۔ کاپی رائٹ کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

(۷) کاپی رائٹ عموماً مصنف/ تخلیق کار کا ہوتا ہے لیکن تفویض کار کی صورت میں ادارے اور ناشر کے، خاص طور پر لغات، قاموس، درسی کتب کے حوالے سے۔"[۳]

المختصر اس ساری بحث سے ایک محقق کے لیے تحقیق کے آداب و اخلاقیات پر تفصیل کے ساتھ روشنی پڑ چکی ہے۔ اگر ان باتوں کو مدنظر رکھا جائے تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ کسی بھی سطح پر کسی قسم کی کوئی شکایت نہ ہوگی۔

☆☆☆☆

حواشی

۱۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۰۲ء، ص: ۲۳۴۔

۲۔ رشید حسن خان، ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ، لاہور: الفصیل اُردو بازار، نومبر ۲۰۰۳ء، ص: ۷۹

۳۔ عطش درانی، ڈاکٹر، جدید رسمیات تحقیق، لاہور: اُردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۵ء، ص: ۳۹۳۔۳۹۴

☆☆☆☆

تحقیق کی زبان

طرز تحریر میں ہر شخص ایک دوسرے سے امتیاز رکھتا ہے۔ مقالے کے طرز تحریر کو ہر ممکنہ حد تک انفرادی ہونا چاہیے، محقق کے طرز تحریر میں تکمیل، وحدت، وضاحت، سنجیدگی اور تاثر وغیرہ کو لازمی عنصر تصور کیا جاتا ہے۔ محقق کو مقالہ تحریر کرتے وقت صداقت کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے لہٰذا یہ ایک مضبوط طرز تحریر کی وساطت سے ہی موثر بنتی ہے۔ صداقت کی غیر مشکوک وضاحت کے لیے طرز تحریر میں وضاحت کی خوبی کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ الفاظ کا کثرت سے استعمال طرز تحریر کی چاشنی کھو دیتا ہے۔ لیکن یہاں یہ مراد بھی نہیں لینا چاہیے کہ موضوع کو عام فہم بنانے کے لیے ضروری الفاظ کو ہی ترک کر دیا جائے بلکہ ان کا استعمال سجے تلے انداز میں کرنا چاہیے۔ مقالے میں غیر ضروری الفاظ کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے۔ تحقیقی مقالے کی زبان، اصول قواعد کی ثقافت کی متحمل کبھی بھی نہیں ہوتی، پروفیسر عبدالستار دلوی لکھتے ہیں:

> ''مقالے کی زبان کو صنائع بدائع سے بچانا چاہیے۔ مُرصع زبان مقالے کی ضرورت کے پیش نظر بے اثر ہوتی ہے وہ مقالے کے سائنسی اور ذہنی عمل کا ساتھ نہیں دے سکتی۔''[1]

اسی ضمن میں قاضی عبدالودود یوں رقمطراز ہیں:

> ''استعارہ و تشبیہ کا استعمال صرف توضیح کے لیے کرنا چاہیے۔ آرائش گفتار کی غرض سے نہیں۔ اسماء کے ساتھ صفات اسی وقت لانے چاہئیں جب کوئی صفت لکھنے والے کی اصل رائے کو ظاہر کرتی ہو۔ تناقص و تضاد اور ضعف استدلال سے بچنا چاہیے اور مبالغہ کو تحقیق کے لیے سم قاتل سمجھنا چاہیے۔

تحقیق کا مطمع نظر یہ ہونا چاہیے کہ کم سے کم الفاظ میں پڑھنے
والے پر اپنا ماضی الضمیر ظاہر کر دے۔"[۲]

مقالے میں الفاظ کے استعمال کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جدید انداز میں وضع کیے ہوئے الفاظ تخلیقی ادب میں چاہے کتنی ہی اہمیت رکھتے ہوں، لیکن تحقیقی مقالے میں ان کا استعمال درست نہیں سمجھا جاتا، مقالے میں مقامی یا بازاری قسم کے الفاظ کی بھی گنجائش نہیں ہوتی کیونکہ ان کے استعمال سے زبان کی سنجیدگی باقی نہیں رہتی۔

طرز تحریر کے سلسلہ میں تحقیق کار کو خود ہی احتیاط برتنا پڑتی ہے۔ یہ وہ سطح ہے کہ جس پر اس کا نگران بھی اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اسے خود ہی مقالے پر بار بار نظر ثانی کرنا ہوگی۔ یہاں تحقیق کار کا طرز تحریر تسلی بخش نہ ہوگا وہاں اس کا نگران اسے اس حصے کو دوبارہ تحریر کرنے کی ہدایت کرے گا۔ دراصل ہر حال میں اپنے طرز تحریر کی اصلاح تحقیق کار کو خود ہی کرنا پڑتی ہے۔

تحقیقی مقالہ حقائق پر مبنی ہوتا ہے، اس لیے حقائق بیان کرنے کے لیے تحریر کو براہ راست لکھنا پڑتا ہے اس میں لفاظی، افسانہ طرازی، خطابت اور شاعرانہ رنگین بیانی کام نہیں دیتی اس بات کی وضاحت کے لیے ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی یوں رقمطراز ہیں:

"تحقیقی مقالہ چونکہ واقعات و حقائق پر مبنی ہوتا ہے اس لیے
اس میں لفاظی یا افسانہ طرازی، خطابت یا شاعرانہ رنگین بیانی
سے کام نہیں لینا چاہیے۔ یہ باتیں مقالے کی عظمت کو کم کرتی
ہیں۔ مواد (حقائق) کی کمی ہے تو رنگین بیانی لفاظی یا
خطابت اس کی تلافی نہیں کر سکتی۔"[۳]

الفاظ کے غیر ضروری استعمال سے مقالے پر جو اثر پڑتا ہے اس کے بارے میں مولانا شبلی نے یوں تحریر کیا ہے:

"لفظوں کا غیر ضروری استعمال انشاء پردازی پر برا اثر ڈالتا
ہے۔ لفظوں میں توانائی ہوتی ہے اور توانائی کو ضائع نہیں کیا

جاتا۔ اس توانائی کا صحیح استعمال عبارت میں حسن پیدا کرتا
ہے۔ گلستان میں جو مضامین اور خیالات ہیں ایسے اچھوتے
اور نادر نہیں، لیکن الفاظ کی فصاحت اور تناسب نے سحر پیدا کر
دیا ہے۔"[۴]

رشید حسن خان بھی تحقیق کی زبان کی آرائش اور مبالغہ آرائی کے حق میں نہیں ہیں:

"تحقیق کی زبان کو امکان کی حد تک آرائش اور مبالغے سے
پاک ہونا چاہیے اور صفائی الفاظ کے استعمال میں بہت زیادہ
احتیاط کرنا چاہیے۔ اردو میں تنقید جس طرح انشاء پردازی کا
آرائش کدہ بن کر رہ گئی ہے وہ عبرت حاصل کرنے کے لیے
کافی ہے اور تحقیق کو اس حادثے کا نشانہ نہیں بننے دینا
چاہیے۔"[۵]

بعض محققین مخففات کے استعمال سے اپنی محنت اور وقت کو بچانا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ طریقہ کار قاری کے لیے مشکل کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔ اس لیے مخففات سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔ عبدالرزاق قریشی نے صحیح لکھا ہے: "مقالے میں مخففات کا استعمال نہیں کرنا چاہیے کیونکہ قاری کو الجھن میں ڈال دیتے ہیں۔"[۶]

مخففات کو استعمال کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جائے تو ان کا استعمال بھی طریقے سے کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر عطش درانی کی تجویز پر عمل کیا جائے تو نہایت مناسب ہوگا ان کا کہنا ہے:

"مخففات کو استعمال کرنا ناگزیر ہو تو اس کی فہرست ابتدا میں
دی جائے اس کے لیے معروف طریق کار ہی کی پیروی کی
جائے۔ نہ کہ اپنی ایسی اختراعی اصلاحات کا اظہار کیا جائے
جو نجی یا شخصی ہو۔ یعنی جذباتی اور موضوعی تحریروں سے اجتناب
کیا جائے۔"[۷]

تحقیقی زبان میں تکلفات سے زیادہ اہمیت اصطلاحات کی ہے۔ اگر تکلفات کو شخصی علامتیں کہا جاتا ہے تو اصطلاحات محقق کی اجتماعی علامتیں ہیں۔ اصطلاح کا مطلب وہ لفظ یا الفاظ کا مجموعہ ہے جس سے کسی علم یا فن میں کوئی خصوصی معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ محققین حضرات تحقیقی مقالوں میں نیم مانوس اصطلاحات کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر ایسا کیا جانا اشد ضروری ہے تو پھر ان کی فرہنگ یا وضاحت مقالے یا کتاب میں ضرور شامل کرنی چاہیے۔ ایسا کرنے سے قاری کو محقق کی بات سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ زیادہ طویل، مرکب، غیر مستعمل اور فرسودہ الفاظ کے استعمال سے مقالے کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ مقالات میں کچھ ایسے مقامات بھی آسکتے ہیں جہاں اصطلاحی الفاظ کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔ اصطلاحی الفاظ کے انتخاب کے سلسلہ میں قاضی عبدالودود محقق کو ان باتوں کا خیال رکھنے کا مشورہ دیتے ہیں:

"۱۔ اگر ایک سے زائد اصطلاحی الفاظ کا استعمال ہو رہا ہو تو ان میں سے اسی لفظ کا انتخاب کرنا چاہیے جو زیادہ تر لوگوں کے لیے تسلیم شدہ ہو۔

۲۔ مقالے کے شروع میں جن اصطلاحی الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ اس مفہوم میں انہیں الفاظ کا استعمال پورے مقالے میں کیا جانا چاہیے۔

۳۔ اگر انگریزی یا کسی دوسری زبان کے اصطلاحی الفاظ کا ترجمہ کیا گیا ہو تو بریکٹ میں یا تمہیدی حصے میں ان کی بنیادی شکل کا اظہار کر دینا مناسب ہوتا ہے۔

۴۔ اگر اصطلاحی الفاظ کا استعمال کئے بغیر کسی خیال کا اظہار ممکن ہو تو اصطلاحی الفاظ سے احتراز کرنا ہی بہتر ہوگا۔"[۸]

محققین اپنے مقالوں میں اپنی علمیت کا اظہار دوسروں پر کرنے کے لیے اپنی تحریروں میں "جارگن" کا استعمال کرتے ہیں۔ کسی موضوع کے عالموں یا پیشہ وروں کے مخصوص محاوروں، روزمرہ، اور اصطلاحی زبان کو انگریزی میں جارگن کہتے ہیں۔ مثال کے

طور پر مولویوں، معماروں، ڈاکٹروں وغیرہ کی مخصوص طبقاتی بولیوں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ تحقیقی تحریروں میں علمی جارگن سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ زمانے کے بدلنے سے لوگوں کے مذاق بھی بدل جاتے ہیں۔ آج جو لفظ بطور فیشن استعمال ہو رہا ہے۔ کل آنے والے وقت میں وہ فرسودہ اور متروک ہوسکتا ہے۔ اس وجہ سے جارگن کی جگہ اگر کوئی غیر اصطلاحی لفظ ویسا ہی معنی دے سکتا ہے تو پھر کیوں نہ وہ آسان لفظ ہی استعمال کیا جائے۔ مثلاً مصادر کی جگہ ماخذ بلکہ کتابیات کے الفاظ کو استعمال کر سکتے ہیں۔ رجال کی جگہ اشخاص، احوال کی جگہ حالات اور تعلیقہ کی جگہ ضمیمہ کے الفاظ کو استعمال کر کے قاری کے لیے پڑھنے میں آسانی پیدا کی جاسکتی ہے۔

درج بالا بحث کے بعد چند محققین کی آراء کو مدنظر رکھتے ہوئے نوآموز محققین کے لیے زبان کے متعلق کچھ عام تجاویز کو پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ مقالے کو عمومی طور پر زمانہ ماضی یا ماضی قریب میں لکھا جانا چاہیے۔

۲۔ نتائج کا تذکرہ حال میں کیا جاسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا تعلق آخر میں ایک مخصوص عنصر سے نہیں رہ جاتا۔ ایک عام تخلیق کا ذکر دور حاضر کی مناسبت سے ہی کیا جانا چاہیے۔

۳۔ ضمائر متکلم، میں، ہم، میرا، ہمارا (وغیرہ) کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ ان کے استعمال سے مقالے کی غیر انفرادیت اور امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ بہت ضروری ہو تو اپنے لیے ضمیر متکلم کا صیغہ استعمال کرنا چاہیے۔ وگرنہ ہم یا راقم السطور کی تکرار تحقیقی مقالے میں سوانحی رنگ پیدا کر دیتی ہے۔ مثلاً ہم نے فیصلہ کیا..... کی بجائے..... فیصلہ کیا گیا، جیسے جملے استعمال میں لائے جائیں۔ اگر کہیں مقالے میں اپنی ذاتی مثال یا حوالہ سے بات کرنی ہو تو "راقم" کا لفظ استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

۴۔ صیغہ فاعل کا استعمال صیغہ مفعول کے مقابلے میں زیادہ ہونا چاہیے۔

۵۔ گنتی کے اعداد اگر سو تک ہوں تو ان کو حروف میں لکھا جانا چاہیے۔ سو سے زائد کی گنتی کو اعداد میں لکھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر جملے کی ابتدا گنتی سے ہوتا ہے تو

اس کو حروف میں ہی لکھنا چاہیے۔

۶۔ زیادہ تر ایک ہی فعل کے ساتھ دو سے زائد مسلسل جملوں کا اختتام نہیں ہونا چاہیے۔

۷۔ مرکب اور منعطف جملوں کا استعمال صرف ناگزیر حالات میں ہی کرنا چاہیے۔

۸۔ تحقیقی زبان میں جملوں کو مثبت انداز میں تحریر کرنا چاہیے ناں کہ منفی انداز میں مثلاً نہ، نہیں، مت، جیسے الفاظ کا استعمال نہ ہی ہو تو بہتر رہے گا۔

۹۔ تحقیقی عبارت کو طویل ترین اقتباسات، معترضہ جملوں اور بے شمار حوالوں سے بچانا چاہیے۔ ان کی بجائے خلاصہ یا ملخص شدہ عبارت کا انتخاب کرنا مناسب رہے گا۔

۱۰۔ محقق کا فرض ہے کہ مقالہ تحریر کرتے وقت مکمل طور پر تنقیدی اور تجزیاتی انداز اپنائے۔

۱۱۔ محقق کو حتی الامکان اپنی فضیلت کو منوانے سے گریز کرنا چاہیے۔ کسی دوسرے محقق کی تضحیک کرنے، چونکا دینے والے الفاظ کا استعمال یا احکامات دینے والے الفاظ کے استعمال سے گریز کرے۔

۱۲۔ مقالے کے حجم کو بڑھانے کے لیے غیر ضروری عبارات کو تحریر کرنے سے گریز کرے۔

۱۳۔ مقالے میں ایسی عبارت کو تحریر کرے جس کو پڑھنا آسان ہو۔ مقالہ آخر کار قاری کے پڑھنے کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کو پڑھنے کی اذیت میں مبتلا نہیں کرنا چاہیے۔

۱۴۔ تحریر کا تسلسل اور روانی مقالے کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا جو بات پہلے کہنا ہو اسے پہلے کہا جائے اور جو بعد میں کہنا ہو ان باتوں کو بعد میں ہی کہا جائے۔

تحقیق کی زبان کے متعلق پروفیسر محمد حسن کی تفصیلی رائے بھی ملاحظہ کیجئے:

> ''تحقیق کی زبان افسانوی ادب کی زبان سے یقیناً مختلف ہوگی۔ اس میں تخیل سے زیادہ واقعیت، ابہام سے زیادہ

> قطعیت اور کیفیت سے زیادہ حقیقت کے بے کم و کاست بیان پر زور دیا جائے گا۔ رنگینی اس کا حُسن نہیں عیب ہو سکتی ہے۔ اس کا مقصد کیفیت نہیں معلومات کی ترسیل اور استنباط نتائج ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا حسن اس کی قطعیت ربط۔ استقلال اور ترتیب کے مقدمات اور نتائج معقولیت اور توازن میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس کا رُخ آرٹ سے زیادہ سائنس اور فلسفے کی طرف ہوتا ہے۔ جہاں الفاظ حتی الامکان پوری احتیاط اور تعین معانی کے ساتھ استعمال کئے جانے چاہیں۔''۹

المختصر تحقیق کی زبان کے معیاری ہونے کی پہچان یہ ہے کہ محقق کے ہاں اظہار اور ابلاغ میں کوئی فاصلہ نہ رہے۔ گویا مصنف کا مقصد قاری کے ذہن تک جھٹکوں اور رکاوٹوں کے بغیر رسائی حاصل کر لے۔ اتنا کافی نہیں کہ محقق اپنا مقالہ لکھ کر مطمئن ہو جائے کہ اس نے جو بات کہنی تھی کہہ دی۔ پڑھنے والے اسے سمجھتے ہیں یا نہیں، محقق کو اس سے کیا غرض؟ بعض تخلیق کار (اظہاریت پسند) اسی موقف کے مدعی ہیں مگر یہ دعویٰ محقق کو زیب نہیں دیتا وہ لکھتا ہی اس لیے ہے کہ سچ اور حق دوسروں تک پہنچ جائے، اس لیے ابہام یا ایجاز و وضاحت کی نفی سے پرہیز لازمی ہے۔ محقق کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے مقالے کا ایک ایک لفظ قاری تک اپنے قطعی مفہوم کے ساتھ پہنچ رہا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اظہار کے ساتھ ساتھ ابلاغ کے تقاضے بھی بطریق احسن پورے کیے جائیں۔

☆☆☆☆

حواشی

۱۔ عبدالستار دلوی، پروفیسر، ادبی اور لسانی تحقیق، اصول اور طریق کار، ممبئی: شعبہ اردو ممبئی یونیورسٹی، دسمبر ۱۹۸۴ء، ص: ۷۲

۲۔ قاضی عبدالودود، مقالہ، ''اصول تحقیق''، مشمولہ، اصول تحقیق: ادبی اور لسانی

تحقیق، اصول اور طریق کار، ممبئی: شعبہ اردو ممبئی یونیورسٹی، دسمبر ۱۹۸۰ء، ص: ۷۸

۳۔ عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر، مبادیات تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، س ن، ص: ۵۴

۴۔ شبلی، مولانا، شعرا العجم، طبع سوم، جلد چہارم، اعظم گڑھ: معارف پریس، ۱۹۲۳ء، ص: ۷۳

۵۔ رشید حسن خان، ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ، لاہور: الفیصل غزنی سٹریٹ، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۴

۶۔ عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر، مبادیات تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، س ن، ص: ۵۷

۷۔ عطش درانی، ڈاکٹر، جدید رسمیات تحقیق، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۵ء، ص: ۳۷۱

۸۔ قاضی عبدالودود، اصول تحقیق: ادبی اور لسانی تحقیق، اصول اور طریق کار، ممبئی: شعبہ اردو ممبئی یونیورسٹی، دسمبر ۱۹۸۰ء، ص: ۷۳

۹۔ محمد حسن، پروفیسر، مقالہ، ادبی تحقیق کے بعض مسائل، مشمولہ، اردو میں اُصول تحقیق، جلد دوم، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۰۳

☆☆☆☆

موضوع کی تلاش اور انتخاب

کار تحقیق کا سب سے پہلا اور بنیادی مرحلہ موضوع کی تلاش اور انتخاب کا ہے۔ موضوع سے مراد وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد تحقیق چکر لگاتی رہتی ہے۔ محقق، تحقیق دو صورتوں میں کرتا ہے۔ پہلی صورت سندی (جو کسی ڈگری کے حصول کے لیے کی جائے) اور دوسری غیر سندی ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں موضوع کی تلاش اور انتخاب کا مرحلہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

موضوع کا انتخاب اور تلاش محقق کو اپنی صلاحیت، دلچسپی اور پسند کی روشنی میں کرنا چاہیے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اس کی تحقیق کبھی بھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچے گی اور نہ ہی وہ مفید نتائج حاصل کر سکے گا۔ یونیورسٹیوں میں تحقیقی کاموں کی صورت حال کچھ تسلی بخش نہیں ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ وہ محقق جو شعر کو موزوں طریقے سے نہیں پڑھ سکتا وہ شعرائے کرام کے دیوان کی تدوین کر رہا ہے اور جو علم لسانیات سے ناواقف ہے وہ لسانیات کے موضوع پر تحقیق کر رہا ہے۔ یوں بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ محقق موضوعات کی کمی کا شکوہ کرتے ہیں۔ نو آموز تحقیق کار اپنے اساتذہ یا نگران کے اردگرد چکر کاٹ رہے ہوتے ہیں۔ آخر کار نگران کی مرضی کو قبول کر لیتے ہیں۔ یہ طریقہ انتہائی غیر تحقیقی ہے۔ سندی تحقیق میں موضوع کے انتخاب پر بورڈ آف سٹڈیز کی مہر تصدیق لازمی ہے۔ ایسا اس لیے بھی ضروری ہے کہ جو موضوع، تلاش یا جس کا انتخاب کیا جائے وہ کسی دفتری رکاوٹ کا باعث نہ بنے۔ بلکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ تحقیق کار اور اس کا امکانی نگران مل کر بیٹھ جائیں اور موضوع کا انتخاب کر لیں پھر صدر شعبہ سے رائے لے لیں، تاکہ نگران، تحقیق کار اور صدر شعبہ یا چیئرپرسن کو موضوع میں دلچسپی ہو اور ان کے پاس اطمینان بخش علم اور تجربہ بھی ہو۔ عبدالستار دلوی لکھتے ہیں:

"تحقیقی عمل کا یہ اولین اور اہم ترین مرحلہ ہے۔ صحیح موضوع کا
انتخاب کر لینے پر محقق کو اپنے کام کے لیے کچھ زیادہ دلچسپی اور
جوشِ عمل پیدا ہو جاتا ہے اور اسے اپنے کام کرنے کی تحریک
ملتی ہے۔"۱

ڈاکٹر رش اختر لکھتے ہیں:

"ایک بار موضوع کے انتخاب کا فیصلہ عمل میں آ گیا تحقیق کی
پہلی اینٹ صحیح جگہ پر رکھ دی جائے گی۔"۲

تحقیقی عمل کے لیے موضوعات یا مسائل کسی بیرونی تحریک یا ذہنی افتاد سے پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی اچانک ہی کوئی موضوع سامنے آ جاتا ہے پھر بھی موضوع کی تلاش اور انتخاب کا مرحلہ محقق کے لیے انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند، رچرڈ ایلٹک کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رچرڈ ایلٹک نے سوال اٹھایا کہ رفیقِ حیات تلاش کرنا
مشکل ہے یا موضوعِ تحقیق کا انتخاب کرنا۔"۳

تحقیقی موضوعات کی کمی نہیں، کسی نثر نگار یا شاعر پر مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔ کسی دور کی ادبی تاریخ لکھ سکتے ہیں۔ سوانحی اور مذہبی نثر پر لکھا جا سکتا ہے۔ زبان و ادب کا سیاسی، سماجی یا تاریخی پس منظر بیان کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر اسلم ادیب کہتے ہیں:

"محقق کو اجتماعی، اہم، عملی اور ضروری نوعیت کے موضوعات
کا انتخاب کرنا چاہیے۔"۴

ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی "مینول آف تھیس رائیٹنگ" کے مصنفین کی رائے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر نوجوان محقق موضوع کا انتخاب کرنے سے پہلے اپنے آپ سے مندرجہ ذیل سوالات کر لے تو یہ اس کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں:

"۱۔ کیا یہ موضوع اس لائق ہے کہ اس پر تحقیق کی جائے؟
۲۔ کیا اس موضوع پر تحقیق مکمل ہو سکتی ہے؟

۳۔ کیا اس موضوع پر تحقیق کرنا میرے لیے ممکن ہے؟
۴۔ کیا اس موضوع پر میں تحقیق کر سکتا ہوں؟

(A Manual of theis writing. A.H. Cole and
K.W. Bigelow۲:(چاپ ہشتم، باب ا،ص" (5)

کسی بھی موضوع کے تلاش و انتخاب میں خارجی عوامل کا خیال رکھنا اور پڑھنا ضروری ہے۔ جن میں جدت، اہمیت، ذرائع تحقیق، طریقہ تحقیق، وسائل اور تعاون شامل ہیں۔ دوسرے اندرونی عوامل بھی ہیں جن میں ذاتی دلچسپی، ذہنی تجسس، محقق کی تربیت اور تجربہ، محقق کا مزاج اور اعتماد شامل ہیں۔ ذاتی دلچسپی فوری طور پر کسی موضوع میں پیدا کرنا ممکن نہیں ہے۔ موضوع کی تلاش اور انتخاب کے لیے جن ذرائع سے مدد لی جا سکتی ہے ان میں رسائل و جرائد اور مقالات کی فہرستیں شامل ہیں۔

پروفیسر محمد عارف لکھتے ہیں:

"رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے مقالوں کا سراغ
لگائیں تاکہ موضوع کے جملہ پہلوؤں پر بخوبی روشنی
پڑ سکے۔"۶

مقالات کی فہرستیں بھی موضوعات کی تلاش اور انتخاب میں مدد دیتی ہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور زاہد منیر عامر لکھتے ہیں:

"مقالات کی فہرستیں دیکھ کر معلوم کیا جائے کہ کن موضوعات
پر تحقیق ہو چکی ہے اور اب کن موضوعات پر تحقیق کی ضرورت
یا گنجائش ہے۔"۷

تحقیق کار کو جو ذرائع مزید موضوع کی تلاش اور انتخاب میں مدد دیتے ہیں ان میں تحقیقی رسائل، پیشہ وارانہ سیمینار کی رپورٹیں طلبا کی سطح کی تحقیقی فہرستیں وغیرہ شامل ہیں۔ ان ذرائع کا استعمال کر کے محقق موضوع کی تلاش اور انتخاب کو یقینی بنا سکتا ہے۔ تحقیقی موضوعات کی اقسام ڈاکٹر گیان چند یوں بیان کرتے ہیں:

''اردو میں تحقیقی موضوعات کو چند بڑے زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ کوئی ایک ادیب ۲۔ صنف

۳۔ رجحان، تحریک و بستان ۴۔ علاقائی گروہی جائزہ

۵۔ کوئی انجمن یا ادارہ

۶۔ کوئی ایک کتاب مثلاً تذکرہ، تاریخ ادب کا جائزہ

۷۔ تدوین متن ۸۔ ادبی حوالہ جاتی کتابیں

۹۔ بین العلومی تحقیق ۱۰۔ ادبی لسانیات یعنی ادب و لسانیات کو ملانے والے موضوعات۔''[۸]

موضوع کو کیسا ہونا چاہیے اور موضوع کی تلاش و انتخاب کے وقت کن کن باتوں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ ذیل میں ان کا بیان تفصیل کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

موضوع ایسا ہو جس میں محقق کو دلچسپی ہو۔ اس لیے محقق کو چاہیے کہ اپنے موضوع کا انتخاب خود کرے۔ اس ضمن میں محقق اپنے نگران سے مشورہ ضرور کرے مگر آخری فیصلہ تحقیق کار یا طالب علم کا ہی ہونا چاہیے۔ اگر موضوع محقق کے رجحان کے مطابق نہ ہوگا تو اس میں لگن نہ ہوگی اور نہ ہی وہ اس موضوع کے ساتھ انصاف کر سکے گا۔ ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی رائے دیتے ہیں کہ ''موضوع سے محقق کی دلچسپی اور تھوڑا بہت مطالعہ ہونا ہی کافی ہے۔''[۹]

ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی اسی ضمن میں مزید لکھتے ہیں:

''چونکہ موضوع کے انتخاب میں ان کی ذاتی دلچسپی کو دخل نہیں ہوتا اس لیے وہ کچھ دور چل کر بھٹک جاتے ہیں اور منزل مقصود تک پہنچ نہیں پاتے یا گرتے پڑتے پہنچتے ہیں ...
جب موضوع کا انتخاب اپنی دلچسپی اور اپنی سطح علمی کے مطابق ہوگا تو کام کی رفتار بھی حسب خواہش ہوگی اور نتیجہ بھی خوشگوار ہوگا۔''[۱۰]

یہی خیالات ڈاکٹر نثار احمد زبیری کے ہیں:

''جب کوئی شخص، تحقیق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ اپنی پسند، اپنے رجحانات اور اپنی ترجیحات کے مطابق سب سے پہلے ایک خاص میدان کا تعین کرتا ہے۔''[۱۱]

موضوعات چونکہ بہت سارے ہیں کسی کو شاعری سے دلچسپی ہے تو کسی کو نثر سے، کسی کا تاریخ کی طرف رجحان ہے تو کسی کا عروض میں، کسی کو قدیم ادب اور کسی کو جدید ادب میں دلچسپی ہے۔ تحقیق میں غور و فکر تجسس کا باعث بنتا ہے اور یہی تجسس انسان کو نئے حقائق کی تلاش میں مدد دیتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''اپنے موضوع کے ساتھ آپ کو شب و روز بسر کرنے چاہئیں۔ محنت سے جی نہیں چرانا چاہیے تاکہ آپ جو کچھ لکھیں وہ ایسا ہو کہ کہا جائے کہ اس موضوع کا نہ صرف آپ نے حق ادا کیا ہے بلکہ اس سے بہتر اب تک نہیں لکھا گیا۔''[۱۲]

تحقیق کار کا ذہن ساکن اور جامد نہیں ہونا چاہیے۔ جو چیز اس کی تحقیق اور مطالعے کا موضوع ہوتی ہے اسے عمل تحقیق کے مختلف مرحلوں میں مرتسم ہوتے رہنا چاہیے اس کے لیے تحقیقی قوت حافظہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

موضوع ایسا ہونا چاہیے جس پر تحقیق کی جاسکتی ہو۔ محقق کو اگر کسی موضوع سے نفرت ہو تو وہ موضوع اسے ہرگز نہیں لینا چاہیے۔ ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی اسی حوالے سے لکھتے ہیں:

''جس موضوع سے محقق کو کسی قسم کی نفرت ہو یا اس کے متعلق اس نے کچھ خاص قسم کے تصورات قائم کر لیے ہوں، اس کا انتخاب نہ کرے۔ محض تنقیص کی غرض سے تحقیق کرنا ایک بے معنی سی بات ہے۔''[۱۳]

موضوع ایسا ہو کہ نہ صرف محقق بلکہ طبع و اشاعت کی صورت میں قاری کے لیے بھی دلچسپی کا باعث بن سکے۔ موضوع چنتے وقت اس کی وسعت کا خیال رکھنا چاہیے۔

ڈاکٹر ش اختر کے مطابق:

"موضوع چنتے وقت یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ دائرہ اتنا وسیع نہ ہو کہ وقت معینہ پر کام مکمل نہ ہونے پائے۔ اس اختصار اور وقت کی محدودیت بھی موضوع کے تعین میں ایک اہم عنصر بن جاتی ہے۔" ۱۴

موضوع اگر وسیع ہوگا تو اسے وقت تک سمیٹنا مشکل ہوگا۔ ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی لکھتے ہیں:

"موضوع بہت وسیع و بسیط نہ ہو۔ وسیع موضوع کی صورت میں کامل کا ایک جز و تحقیق کے لیے منتخب کرنا بہتر ہوگا۔" ۱۵

موضوع زیادہ پیچیدہ نہ ہو کہ اس پر مواد کا حصول مشکل ہو جائے اس حوالے سے ڈاکٹر عندلیب شادانی کی رائے ملاحظہ ہو:

"اگر مواد بہت کمیاب ہے تو ایسے موضوع سے صرف نظر ہی بہتر ہے۔ بنجر زمین میں ہل چلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔" ۱۶

تحقیق کار کو ایسا موضوع نہیں لینا چاہیے جس سے اس کی شدید وابستگی یا جذباتی لگاؤ ہو۔ ڈاکٹر قاضی عبدالقادر لکھتے ہیں:

"ایسا موضوع اپنے مضمون کے لیے منتخب نہ کریں جس سے آپ کی شدید جذباتی وابستگی ہو۔ یہ تو عام تجربہ کی بات ہے کہ جذبات میں ہوش نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں تحریر متاثر ہوتی ہے ہماری نظر یک طرفہ معلومات پر اٹھتی ہے اور متبادل دلائل نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔" ۱۷

موضوع کا انتخاب جلد بازی سے ہرگز نہیں کرنا چاہیے بلکہ موضوع کو سوال اٹھانے والا ہونا چاہیے۔ پروفیسر محمد عارف لکھتے ہیں کہ:

"ایک اچھا موضوع وہ ہے جو ایسے سوال اُٹھاتا ہے کہ ان کا

جواب سادہ نہیں ہوتا۔" ۱۸

موضوع کے انتخاب کے وقت ایک سے زائد موضوعات کا انتخاب کرنا چاہیے۔ عام طور پر محقق ایک موضوع کا انتخاب کر لیتے ہیں جو کہ موزوں نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر کچھ منتخب موضوعات تحقیقی معیار پر پورے نہ اتریں تو ان میں سے ایک نہ ایک تو معیاری ہو سکتا ہے۔ اس طرح نئے سرے سے موضوع کے انتخاب و تلاش کے مرحلے سے تحقیق کار بچ سکتا ہے۔ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ موضوع سے علم کی، جس میں تحقیق کی جا رہی ہے، کیا فائدہ ہوگا۔ تحقیق کا مقصد علم و فن کو ترقی دینا ہے۔ تحقیق علم میں بے شمار چھوٹے چھوٹے اضافے کر کے انسانی بہبود میں حصہ لیتی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عبدالستار دلوی لکھتے ہیں:

"موضوع تحقیق کی اپنی ایک اہمیت ہونی چاہیے۔ یعنی وہ موجودہ انسانی علوم میں کسی حد تک اضافہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔" ۱۹

محقق کو موضوع کی تلاش اور انتخاب کرتے ہوئے یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ موضوع زیادہ عمومی نہ ہو۔ عمومی موضوع کا ایک زاویہ یہ ہے کہ اس پر بہت زیادہ مواد میسر آ رہا ہو تو ایسی صورت میں محقق کو موضوع بدل لینا چاہیے۔ محقق کو ایسے موضوعات کے انتخاب سے اجتناب کرنا چاہیے جس کا سارا مواد ایک ہی کتاب سے مل جائے۔

تحقیق کے لیے جو موضوع منتخب کیا جائے وہ نیا اور اہم ہو۔ ساتھ میں دوسروں کے کام کا جائزہ بھی لینا چاہیے تاکہ محقق تحقیق کی جدت کا اندازہ کر سکے۔ ڈاکٹر اسلم ادیب لکھتے ہیں: "خاص طور پر موضوعاتی تکرار نے تعلیمی تحقیق میں اضافہ نہیں ہونے دیا۔" ۲۰

نو آموز تحقیق کار اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے موضوع کا انتخاب یا تلاش نہیں کر سکتا حتیٰ کہ بعض اوقات مسئلے کا میدان منتخب نہیں کر سکتا اور ہر موضوع کے بارے میں ناکامی کا خوف کھاتا رہتا ہے لیکن تجربہ اور تربیت کا بنیادی وصف اگر اس میں ہے تو وہ مشکل اور اہم موضوع کا انتخاب ایک چیلنج کے طور پر کر سکتا ہے۔

زندہ لوگوں کو موضوع تحقیق نہیں بنانا چاہیے۔ کیونکہ ذاتی اثرات زندہ لوگوں کو

سمجھنے اور بیان کرنے میں مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ زندہ لوگوں پر کام کرنے کا نقصان یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے کردار کی کسی کمزوری یا علمی خامی کا ذکر کرنے سے وہ دشمن بن سکتے ہیں۔ رشید حسن خان لکھتے ہیں:

''زندہ لوگوں کو موضوع تحقیق بنانا بھی غیر مناسب ہے ...
مناسب یہی ہوگا کہ مرحومین کے سلسلے میں بھی ایک خاص
وقفے سے پہلے اس طرف توجہ نہ کی جائے۔''[۲۱]

کسی زندہ شخصیت پر مصلحت یا مفاد کی خاطر تحقیق کرنا تو حد سے زیادہ نازیبا حرکت ہے۔ قریبی رشتہ داروں مثلاً والد یا دادا پر تحقیق سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ شدید جذباتی لگاؤ کی وجہ سے معروضیت اور غیر جانبداری کا برقرار رہنا ناممکن ہے۔ ایسے موضوعات کا انتخاب بھی نہیں کرنا چاہیے جن سے محقق متعصبانہ رویہ رکھتا ہو ایسی صورت میں بھی غیر جانبداری کا برقرار رکھنا مشکل ہے۔

اگر تحقیق کار نے ایسے موضوع کا انتخاب کیا ہے جس میں دوسری زبان کی معلومات بھی درکار ہیں اور اگر زبان سے واقفیت نہ ہو تو ایسے موضوع کے انتخاب سے اجتناب کرنا چاہیے۔

جس موضوع کا مواد جس جگہ مل سکتا ہے وہاں اس موضوع کو ترجیح دینی چاہیے دور دراز کے مصنفین پر کام کرنے سے بہتر ہوتا ہے کہ قریبی علاقے میں رہنے والے شخص پر کام کیا جائے اسی ضمن میں ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

''اپنے علاقے کی قابل تحقیق شخصیتوں سے متعلق کوئی
موضوع مل جائے تو اس پر مقالہ لکھا جائے تاکہ سہولت کے
ساتھ ساتھ دھرتی کا نمک بھی ادا ہو جائے۔''(۲۲)

موضوع کا انتخاب کرتے ہوئے اس بات کا بھی دھیان رکھنا چاہیے کہ اس موضوع پر کام نہ ہو رہا ہو۔ یہ معلوم کرنا کافی مشکل ہے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی دوسرا بھی اس موضوع پر کام کر رہا ہے تو محقق کے کام کی اہمیت زیادہ نہیں رہے گی۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری

اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں:

''کام کی تکرار کے تین نقصان ہیں:
(۱) وقت کا ضیاع (۲) سرمایہ کا ضیاع (۳) ذہانت کا
ضیاع۔''[۲۳]

کام کی تکرار سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔ گویا تحقیق کار کو اپنے بہتر موضوع کی تلاش و انتخاب سے قبل اپنے مضمون کا پس منظری مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ یوں اسے پتا چلے گا کہ اس موضوع پر پہلے تحقیق ہوئی یا نہیں۔

موضوع کی تلاش اور انتخاب میں محقق کو اپنی اہلیت بھی پیش نظر رکھنی چاہیے۔ اہلیت سے مراد مالی استطاعت، اخراجات اور سفر وغیرہ کی مشکلات کو مدنظر رکھنا ہے۔ عورتوں اور مردوں کے دائرہ ہائے عمل قدرے مختلف ہیں۔ اہلیت کے ساتھ ساتھ محقق کو متعلقہ شعبے میں اپنی تربیت کا لحاظ بھی رکھنا چاہیے کیونکہ مناسب تربیت اہلیت کو دوگنا کر دیتی ہے اور تحقیق کار تحقیق کا حق ادا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

موضوع کی تلاش اور انتخاب کرتے ہوئے یہ بھی دیکھنا ہے کہ کس درجہ کی تحقیق کے لیے موضوع کی تلاش کی جا رہی ہے یا انتخاب کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ رسالے کے مضمون کے لیے موضوع کا انتخاب مختلف ہوگا اور کسی تحقیقی مقالے کے موضوع کا انتخاب قدرے وسعت کا حامل ہوگا۔ سندی تحقیق کے لیے محقق کے پاس اپنے نتائج ظاہر کرنے کے لیے مخصوص وقت ہوتا ہے۔ اور غیر سندی تحقیق کے لیے مدت مقرر نہیں ہوتی۔

محقق کو ایسے موضوع کی تلاش یا انتخاب بھی نہیں کرنا چاہیے جس پر مواد کی کمی ہو۔ خصوصی طور پر سندی تحقیق میں بہت زیادہ غیر مناسب ہے۔ اسی طرح محقق کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اس موضوع کے لیے مناسب وسائل اور آلات فراہم ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

موضوع کے انتخاب اور تلاش میں خیال رکھا جائے کہ اگر کسی موضوع پر کہیں تحقیق ہو رہی ہو تو ایسا موضوع اختیار نہ کیا جائے لیکن یہ کوئی حتمی کلیہ بھی نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات دو محققین ایک ہی موضوع کو بالکل مختلف انداز میں پیش کرتے ہیں۔ سندی تحقیق

میں محقق کو حتی الامکان اطمینان کر لینا چاہیے کہ اس موضوع پر قبل ازیں تحقیق نہیں ہو رہی۔ بعض اوقات ایسا ممکن نہیں ہوتا پھر بھی اگر ایسا ہو جائے تو بددل نہیں ہونا چاہیے اور کام جاری رکھیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی محقق نے کسی یونیورسٹی سے موضوع منظور تو کرا لیا ہو لیکن کئی سالوں سے اس پر کام نہ کیا ہو۔ ایسی صورت میں کام چھوڑ کر نیا موضوع تلاش کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر اسلم ادیب اپنی کتاب ''تحقیق کی بنیادیں'' میں یہ خیال پیش کرتے ہیں:

> ''انسانوں کے خیالات اور واقعات کے بارے میں
> اختلافات سے مسائل جنم لیتے ہیں ان مسائل کو بھی موضوع
> تحقیق بنایا جا سکتا ہے۔''[۲۴]

ڈاکٹر ش اختر کی رائے ہے:

> ''محقق کو ایسا موضوع چننا چاہیے جو تحقیق و تنقید کے جدید
> تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔''[۲۵]

محقق ایسا موضوع بھی تلاش نہ کرے جس پر کام کرتے ہوئے مقالے میں مناظراتی رنگ آنے کا امکان ہو یا جس پر کام کرتے ہوئے مذہبی اور پیشہ وارانہ عصبیت سے بچنے کا امکان کم ہو۔

محقق کو موضوع کی تلاش و انتخاب کرتے ہوئے قاری کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ سندی اور غیر سندی دونوں قسم کی تحقیق میں تحقیق کی آخری منزل قاری ہی ہوتا ہے۔ اس کی دلچسپی کو بھی دیکھنا پڑتا ہے۔

تحقیق کی ایک بنیادی قسم حقائق کی تلاش ہے۔ ایسا موضوع بھی منتخب کیا جا سکتا ہے جو اس بنیادی قسم سے متعلق ہو۔ مثلاً کسی کتابیات کی ترتیب، اشاریہ سازی یا حوالہ جاتی کتابیات وغیرہ لیکن اعلیٰ درجے کی سندی تحقیق کے لیے یہ موضوعات مناسب نہیں ہیں۔

موضوع کی تلاش اور انتخاب کے متعلق تفصیلی بحث کے بعد یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ اگر موضوع کا انتخاب ہو چکا ہے تو اس کے عنوان کا تعین کس طرح کیا جائے۔ اگرچہ

عنوان راست تحقیق کی ذیل میں نہیں آتا اور تحقیق کی رسمیات کا اطلاق بھی اس پر لازم نہیں ہے پھر بھی اس کے صحیح تعین سے مقالہ نگار یا تحقیق کار کے تحقیقی مزاج اور تجزیاتی و تنقیدی ذہن کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

مقالے یا کتاب کے عنوان کو جامع اور معنویت کا حامل ہونا چاہیے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ غیر ضروری الفاظ اور طوالت سے پاک ہو، مختصر اور جاذبِ نظر ہو۔ ذیل میں چند عنوانات بطور مثال رقم کیے جاتے ہیں۔ مثلاً:

''پاکستان اور بھارت کے درمیان تجارت کی صورت حال اور اس کے مسائل اور اُن کا حل''

درج بالا عنوان قابل فہم تو ضرور ہے لیکن اس کا اندازِ تعین قدیم ہے اور یہ غیر ضروری طوالت کا حامل ہے۔ اگر اسے مختصر کر دیا جائے تو یہ یقیناً جاذبِ نظر بن سکتا ہے۔ مثلاً:

> ''پاکستان اور بھارت کے درمیان تجارت: صورتِ حال، مسائل اور حل''
>
> یا
>
> ''پاک بھارت تجارت: صورتِ حال، مسائل اور حل''

عنوان میں قدیمی اور روائتی انداز کی بجائے حرفِ جار اور حروف ربط کے استعمال سے گریز کر کے زیادہ جامعیت اور اختصار پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس طریقے سے عنوان کی معنویت میں ہرگز فرق نہیں آئے گا۔ ایک اور عنوان ملاحظہ ہو:

''حضرت خواجہ باقی باللہ کی عملی اور متصوفانہ خدمات کا ایک تنقیدی جائزہ''

اگر دیکھا جائے تو درج بالا عنوان میں لفظ ''جائزہ'' مناسب نہیں لگتا۔ اس کی بجائے اگر ''مطالعہ'' کر دیا جائے تو بامعنی ہو جائے گا۔ ''تنقیدی جائزہ'' کسی صورت بھی تحقیق کا موضوع نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اگر تحقیقی و تنقیدی مطالعہ موضوع کا تقاضا ہے تو عنوان کا درست تعین یوں ہوگا:

> ''حضرت باقی باللہ: علمی اور متصوفانہ خدمات کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ''

اگر اس عنوان کا تعین یوں کریں تو مزید بہتر ہوگا۔

''حضرت باقی باللہ: علمی اور متصوفانہ خدمات کا مطالعہ''

اس عنوان میں مطالعہ کی تنقیدی یا تحقیقی نوعیت کا مفہوم شامل ہے۔ اسی طرح ایک اور مثال ملاحظہ ہو، عنوان ہے:

''شرعی حدود کے نفاذ کی تاریخ اور پاکستان میں اس کے نفاذ کا جائزہ''

اس عنوان کا تعین اس طرح کریں تو زیادہ بہتر ہوگا:

''شرعی حدود کا نفاذ: پاکستان میں ان کے نفاذ کی تاریخ''

یہ عنوان ملاحظہ ہو:

''مولانا محمد باقر کا عربی، فارسی اور اردو ادب میں حصہ''

اس عنوان کا تعین یوں کریں تو مناسب ہوگا:

''مولانا محمد باقر: عربی، فارسی اور اردو خدمات''

اسی عنوان کا تعین یوں بھی کریں تو مزید مناسب ہوگا:

''مولانا محمد باقر: ادبی خدمات۔ ایک مطالعہ''

ایک عنوان اور ملاحظہ ہو:

''ہند فارسی ادب میں سرہند کے مصنفین کا حصہ''

اس عنوان کا تعین یوں ہو تو زیادہ جاذبِ نظر ہوگا۔ مثلاً:

''ہند فارسی ادب: مصنفین سرہند کا حصہ''

عنوان کے تعین میں اختصار اور الفاظ کا جامع و بامعنی استعمال بڑی اہمیت اور کشش رکھتا ہے۔ کسی مقالے یا کتاب کا عنوان جتنا جاذبِ نظر ہوگا۔ مقالہ یا کتاب اتنی ہی قابلِ توجہ ہوگی۔ بعض تحقیق کار عنوان کے ذیلی حصے کو یعنی ذیلی عنوان کو قوسین میں تحریر کرتے ہیں۔ قوسین کا استعمال عنوان میں غیر ضروری اور بلا جواز محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً:

''سب رس کا مطالعہ (تحقیق کی روشنی میں)''

عنوان کے تعین کا یہ طریقہ مناسب نہیں ہے اسے یوں ہونا چاہیے۔

''سب رس کا مطالعہ: تحقیق کی روشنی میں''

بلکہ اسے اور بہتر طریقے سے ترتیب دینا ہو تو یوں دیں گے:

''سب رس: ایک تحقیقی مطالعہ'' یا ''سب رس کا تحقیقی مطالعہ''

درج بالا تعینِ عنوانات کی مثالوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات صحیح طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ کہ عنوان کو مختصر اور جامع ہونا چاہیے تھا۔ حرفِ جار اور حروفِ ربط کے غیر ضروری استعمال سے بے نیاز ہو کر عنوان کو قوسین کے بغیر ترتیب دینا چاہیے۔

موضوع کی تلاش اور انتخاب کے لیے ان تمام باتوں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ یقیناً موضوع کا انتخاب ایک مشکل مرحلہ ہے۔ نوآموز تحقیق کار کے ساتھ ساتھ تجربہ کار محققین کے لیے بھی تحقیقی موضوع یا مسئلے کا انتخاب کرنا مشکل ہے لیکن پھر بھی اگر درج بالا گزارشات کی روشنی میں موضوع کی تلاش اور انتخاب کرنے کی تگ و دو کی جائے تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆

حواشی

۱۔ عبدالستار دلوی، تحقیقی عمل کے مراحل، مشمولہ، اردو میں اصول تحقیق، جلد اول، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، ص: ۹۳

۲۔ ش اختر، ڈاکٹر، موضوع کا انتخاب، مشمولہ، اردو میں اصول تحقیق، جلد اول مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۳۱

۳۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع سوم، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۷

۴۔ اسلم ادیب، ڈاکٹر، تحقیق کی بنیادیں، لاہور: بیکن بکس، ۲۰۰۳ء، ص: ۶۵
۵۔ عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر، مبادیات تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، س ن، ص: ۳۲
۶۔ محمد عارف، پروفیسر، تحقیقی مقالہ نگاری، لاہور، ادارہ تالیف و ترجمہ پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۹ء، ص: ۳۸
۷۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، زاہد منیر عامر، مقالہ نگاری طریق کار اور ضوابط، مشمولہ، تحقیق شناسی، مرتبہ: رفاقت علی شاہد، لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۱۴
۸۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان طبع سوم، ۲۰۰۳ء، ص: ۹۵
۹۔ عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر، مبادیات تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، س ن، ص: ۳۱
۱۰۔ ایضاً
۱۱۔ نثار احمد زبیری، ڈاکٹر، تحقیق کے طریقے، کراچی: فضلی سنز، ۲۰۰۰ء، ص: ۴۷
۱۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر لکھنے کے اصول، مشمولہ، اردو میں اصول تحقیق، جلد اول، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، س: ۶۹
۱۳۔ عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر، مبادیات تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، س ن، ص: ۳۵
۱۴۔ ش اختر، ڈاکٹر، موضوع کا انتخاب، مشمولہ، اردو میں اصول تحقیق، جلد اول، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، طبع چہارم، ۱۹۸۶ء، ص: ۱۳۱
۱۵۔ عندلیب شادانی، ڈاکٹر، تحقیق اور اس کا طریقہ کار، مشمولہ، اُردو میں اُصول تحقیق، جلد دوم، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، ص: ۴۰
۱۶۔ عندلیب شادانی، ڈاکٹر، تحقیق اور اس کا طریقہ کار، مشمولہ، اردو میں اصول تحقیق،

جلد دوم، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، ص: ۴۰
۱۷۔ قاضی عبدالقادر، ڈاکٹر، تصنیف و تحقیق کے اصول، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص: ۳۶
۱۸۔ محمد عارف، پروفیسر، تحقیقی مقالہ نگاری (طریق کار)، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۹ء، ص: ۳۵
۱۹۔ عبدالستار دلوی، تحقیقی عمل کے مراحل، مشمولہ، اردو میں اصول تحقیق، جلد اول، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، ص: ۹۶
۲۰۔ اسلم ادیب، ڈاکٹر، تحقیق کی بنیادیں، لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس ۲۰۰۳ء، ص: ۵۵
۲۱۔ رشید حسن خان، ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ، لاہور: الفیصل غزنی سٹریٹ، نومبر ۲۰۰۱ء، ص: ۱۳
۲۲۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان طبع سوم، ۲۰۰۳ء، ص: ۸۵
۲۳۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ادبی تحقیق کے اُصول، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص: ۳۹
۲۴۔ اسلم ادیب، ڈاکٹر، تحقیق کی بنیادیں، لاہور: بیکن بکس، ۲۰۰۳ء، ص: ۵۵
۲۵۔ ش اختر، ڈاکٹر، تحقیق کے طریقہ کار، گیا: تاج پریس باری روڈ، س ن، ص: ۳۳

☆☆☆☆

مواد کی تلاش اور جمع وفراہمی

موضوع کی تلاش، انتخاب اور اولین خاکہ سازی کے بعد تحقیقی عمل میں تیسرا مرحلہ مواد کی تلاش اور جمع وفراہمی کا آتا ہے یہاں محقق تحقیق کی عملی دنیا میں باقاعدہ قدم رکھتا ہے۔ ابتدائی خاکہ سازی سے محقق اپنے تحقیقی مدارج، ابواب بندی اور موضوعات سے واقف ہو جاتا ہے اسے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کن کن ذرائع سے مواد کو اکٹھا کرنے میں مدد لے سکتا ہے۔ مواد کی فراہمی میں محقق کو بہت زیادہ محتاط رہنا چاہیے۔ اگر موضوع کے اعتبار سے کارآمد مواد دستیاب نہیں ہوتا تو تحقیقی عمل کی تکمیل مشکل ہو جاتی ہے مواد کی فراہمی کے عمل میں صرف حقائق کو جمع کرنا ہی شامل نہیں ہے بلکہ فراہمی کے ساتھ ضروری اور بااعتماد مواد کے انتخاب کا عمل جاری رہتا ہے۔ اس سلسلے میں رچرڈ ایلمک لکھتے ہیں:

"Researchers must be careful to use only the most dependable text of a literary work or a private or public document."(1)

مواد کی فراہمی میں تحقیق کار کو سخت محنت ومشقت سے کام لینا پڑتا ہے وہ اپنے فائدے کے چھوٹے سے چھوٹے نکات اور حقائق کو بھی نظر انداز نہیں کرتا تحقیقی کام میں تحقیق کار کو دقیق النظر ہونا چاہیے۔ مواد کی کئی قسمیں ہیں جن میں سے خاص اقسام درج ذیل ہیں:

۱۔ مواد کی پہلی قسم انفرادی مواد ہے جس کے تحت مفروضات، اپنی دلچسپیاں، رجحانات اور اثرات وغیرہ آتے ہیں۔

۲۔ مواد کی دوسری قسم معروضی مواد ہے جس کے تحت کسی خاص فرد کی نہیں بلکہ مجموعی وسائل کی تلاش کی جاتی ہے۔

مواد کی تیسری قسم حلقہ جاتی مواد ہے۔ یہ قسم معروضی مواد سے مختلف نہیں ہے۔

۳۔ اس کی فراہمی تجربے اور جائزہ کاری کے ذریعے آسانی سے ہو جاتی ہے یہ مواد بڑی حد تک متعین رہتا ہے۔

مواد کی چوتھی قسم صفاتی مواد ہے جس کی تلاش معروضی مواد کی تلاش کے مقابلے ۴۔ میں مشکل ہوتی ہے۔ اس میں عمومیت زیادہ ہوتی ہے لہٰذا اس کی اہمیت کم ہوتی ہے اور اس کی جگہ معروضی مواد کا ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

تحقیق کار کو اپنے موضوع سے متعلق مواد کا علم ہونا چاہیے۔ یوں اس کے لیے شائع ہونے والی فہرست کتب کا مطالعہ مفید رہے گا۔ ان فہرست کتب سے وہ اپنے لیے حوالے کی ایک الگ فہرست تیار کرے گا۔ اس کے بعد مختلف لائبریریوں کی وساطت سے قلمی کتابوں، مخطوطوں اور تحقیقی رسائل کی تلاش کی جا سکتی ہے۔ تحقیق کار کو دیگر محققین یا تحقیق کاروں سے رابطہ بھی رکھنا چاہیے اور اپنے کام سے قبل ہونے والے تحقیقی مقالات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔

مواد کی تلاش اور جمع فراہمی کا اہم ترین ذریعہ لائبریری ہے۔ عملی مطالعے کے لیے لائبریریوں کا استعمال بہت ضروری ہوتا ہے۔ لائبریری مواد کی فراہمی کے لیے ایک مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر عبدالستار دلوی لکھتے ہیں:

''لائبریری سے مندرجہ ذیل اقسام کا مواد حاصل ہو سکتا ہے۔

۱۔ دستاویزات: اصل قلمی نقول۔ دستی تحریروں کی نقول

۲۔ موضوع سے متعلق فاضلانہ مطالعہ

۳۔ ایسی کتابیں یا مضامین جن میں موضوع سے متعلق اقوال یا نقطہ ہائے نظر پیش کیے گئے ہوں۔

۴۔ دیگر قسم کا ملا جلا مواد

۵۔ یونیورسٹیوں میں تحقیقی اسناد کے لیے پیش کیے جانے والے تحقیقی مقالات کی مصدقہ نقول

۶۔ حوالے کی کتابیں۔ دیگر قسم کی متعلقہ کتب۔ تحقیقی
مقالات کے مختصر جائزے۔ فہرست کتب اور محقق کے لیے مفید
مطلب دیگر آلات
۷۔ نایاب کتابوں کی فوٹو سٹیٹ نقول۔''[۲]

تحقیق کی دنیا میں آج تک صحیح معنوں میں نہ تو تحقیق کار کے منصب کا تعین ہو سکا اور نہ ہی طریقہ تحقیق کا، نہ ہی مواد کی تلاش اور جمع و فراہمی وغیرہ کے لیے آسانیاں پیدا ہو سکیں جو ترقی یافتہ ملکوں میں روز بروز مروج ہوتی جا رہی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ موضوع کی تلاش اور انتخاب کے وقت ہی تحقیق کار اپنی دلچسپی اور اپنی قوت مطالعہ یا استعداد و صلاحیت کا اندازہ لگاتے ہوئے تحقیقی میدان میں اترے، اس کے بعد مواد کی فراہمی کا مرحلہ آتا ہے۔ مواد کی فراہمی یا تلاش کے مرحلے کو ڈاکٹر شش اختر مواد کی حصول یابی اور یکجائی (Data Collection) کا نام دیتے ہیں اُن کے نزدیک مواد کی حصول یابی کے دو بنیادی ذرائع ہیں:

''۱۔ لائبریری کے ذریعہ کثیر مقدار میں Data کا سرمایہ جمع ہو جاتا ہے... بہر حال یہ پہلا بڑا ذریعہ ہے۔
۲۔ عوام کی دنیا... دوسرا ذریعہ عوامی ہے۔ بعض واقعات اور روایت کی تصدیق صرف عوام کے ذریعہ ہوتی ہے۔ ان دونوں قسموں کو Paper Source اور People Source بھی کہتے ہیں۔''[۳]

مواد کی تلاش اور جمع و فراہمی ہی اصل میں ماخذوں کے تعین کا مرحلہ ہے۔ کیونکہ ریسرچ (Re Search) کا سارا دارومدار مآخذوں کے تعین پر ہی ہوتا ہے۔ مواد سے مراد وہ پس منظر، تحقیقات، معلومات اور افکار و نظریات ہیں جو کسی بھی تحقیق کے گزرے ہوئے مراحل یا موجودہ مراحل کو جانچنے اور سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ حقیقت میں متعلقہ مواد کی نشاندہی کا تعلق تحقیق کار کے پسند کردہ موضوع، تحقیق کی نوعیت اور تحقیق کار کے تحقیقی د

تنقیدی شعور سے ہے۔ تحقیق کار جتنا مواد بھی جمع کرتا ہے اس سارے کے سارے مواد کو مقالے میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لہٰذا ذیل میں تمام متعلقہ مواد کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ وہ مواد جس سے تحقیق کار کے افکار و نظریات واضح ہوں۔
۲۔ وہ مواد جس کی مدد سے تحقیق کار اپنی تحقیق کو واضح اور مدلل انداز میں قارئین کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔

مواد کی تلاش کے لیے تحقیق کار کو اپنے منتخب کردہ موضوع کے لیے تمام بڑی بڑی لائبریریوں کو استعمال میں لانا چاہیے۔ ان کے علاوہ ملکی یونیورسٹیوں، دوسرے علمی اداروں، پبلک لائبریریوں اور ممالک کے نامور محققین کے ذاتی کتب خانوں میں سے اپنے منتخب کردہ موضوع کے لیے مواد کی تلاش اور جمع و فراہمی کے مراحل طے کرنے چاہئیں۔ براہ راست کتابوں کے علاوہ مخطوطوں (قلمی نسخوں) ادبی سہ ماہی، سالانہ اور ماہناموں اور دوسرے فنون سے تعلق رکھنے والی معاصر تصانیف سے بھی مطلوبہ مواد دستیاب ہو سکتا ہے۔

مواد کی حصول یابی کے لیے اہم کتابوں کی بلیو گرافی سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں تحقیق و تدقیق سے دلچسپی رکھنے والے اساتذہ نے ایسی اہم کتابوں کی بلیو گرافی تیار کر دی ہیں جن میں کسی موضوع سے متعلقہ تمام معلومات فراہم کر دی ہیں۔ ان ممالک میں کسی بھی موضوع پر کام کرنے والوں کو دو چار ایسی اہم بلیو گرافیاں مل ہی جاتی ہیں جن میں متعلقہ موضوع پر جدید سے جدید تر کتابوں کی فہارس اور ان موضوعات پر جو تحریر کیا گیا ہے سب کچھ مل جاتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بھی مواد کی تلاش اور جمع و فراہمی کے لیے ابتدائی مراحل میں شامل کرنا چاہیے۔ کیونکہ نو آموز تحقیق کار کے لیے انسائیکلو پیڈیا خاص طور پر اہم ہے کیونکہ اس میں ہر مضمون کے آخر میں مآخذ کی منتخب فہرست مل جاتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''حوالہ کی کتابوں میں انسائیکلو پیڈیا، ڈسٹرکٹ گزیٹیر، لغات،

لائبریری کے مطلوبہ کیٹلاگ وغیرہ ہوتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا
نوجوان محقق کے لیے خصوصاً مفید ہے۔"[۴]

جمیل احمد رضوی تحریر کرتے ہیں:

"مختلف لائبریریوں کے مطبوعہ کیٹلاگ سے بھی مدد لی جاسکتی
ہے۔ رسائل و جرائد کے اشاریوں، تاریخی مواد سے متعلق
تبصروں، تحقیقی مقالات، تحقیقی رسائل، ملک کے عجائب
گھروں، آرکائیوز، صاحب علم وفن اور تجربہ کار لوگوں اور
پرانی کتابوں کا کاروبار کرنے والے حضرات کی مدد سے بھی
ابتدائی فہرست تیار کی جاسکتی ہے۔"[۵]

پروفیسر محمد عارف مواد کی تلاش اور جمع وفراہمی کے سلسلہ میں مواد کی فراہمی کے سلسلہ کو شروع کرنے کا مشورہ کچھ یوں دیتے ہیں: "مآخذ کی تلاش کا آغاز ریڈز گائڈ اور اخبارات کے اشارے کے مطالعہ سے کیجئے۔"[۶]

مواد کی تلاش اور جمع وفراہمی کے سلسلہ میں جب تحقیق کار مختلف لائبریریوں تک رسائی حاصل کرلے اور اس کو اپنے منتخب کردہ موضوع سے متعلقہ مواد مل جائے تو وہ اس کا ذخیرہ جمع کرتا جائے اسے چاہیے کہ اگر مواد کتاب کی شکل میں ہے تو مصنف کا نام، کتاب کا نام، شہر، اشاعتی ادارے، سن تصنیف اور صفحہ نمبر بھی درج کرلے۔ اگر مواد رسائل کی صورت میں ہے تو رسائل کی ورق گردانی کرے اور اپنے موضوع سے متعلق تمام رسالوں کے مضامین کی فہرست بنالے۔ جس میں رسالے کا نام، سنہ اور مہینہ، کیٹلاگ نمبر، مضمون نگار کا نام اور مضمون کا عنوان درج کرے۔ کتابوں اور رسالوں کے مضامین کی یہ فہرست اس کی اولین عارضی کتابیات ہوں گی۔ ڈاکٹر اسلم ادیب مواد کی تلاش اور جمع وفراہمی کا یہ مشورہ دیتے ہیں:

"طریق کار کے مطابق مواد کی تلاش کے لیے کتاب کی
فہرست مضامین دیکھ کر متعلقہ عنوان پڑھا لیا جائے۔ ساری

کتاب کے بارے میں جاننے کے لیے سارا انڈیکس یا
تعارف پڑھا جائے اور جہاں متعلقہ مواد محسوس ہو اسے کاپی
کرالیا جائے۔ نوٹس سے قبل ریفرنس کارڈ بھی ضرور بنائے
جائیں۔ مواد کی تلاش میں لائبریری سٹاف اور کمپیوٹر سے مدد
لی جائے۔"[۷]

تحقیق کار یا مقالہ نگار مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مواد جس سے استفادہ کرکے اپنے موضوع سے متعلق نتائج مرتب کرتا ہے مآخذ کہلاتے ہیں۔ مآخذی مواد کی کئی ایک قسمیں ہیں:

1- کتابیں: کتابوں کی دو قسمیں ہیں:

(i) مطبوعہ کتابیں (ii) قلمی یا خطی

غیر مطبوعہ مواد میں ادبی مخطوطات کے علاوہ مسودے، ڈائریاں، میونسپل کارپوریشن کے رجسٹر (پیدائش و وفات) سکول کے حاضری رجسٹر وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ مطبوعہ مواد میں مطبوعہ کتب کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر مصنف کی اپنی کتاب، نصابی کتاب، موضوع سے متعلق کتابیں، ادبی و غیر ادبی کتابیں، مختلف مضامین کے مجموعے، حوالہ جاتی کتابیں، خلاصہ جات، انسائیکلوپیڈیا، ڈکشنری، ادبی اور غیر ادبی تواریخ، مختلف خطوں علاقوں اور اقوام کی تاریخ، معاصر کتابیں، تخلیقی و غیر تخلیقی مطبوعات، مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی مطبوعات، سوانح عمریاں وغیرہ وغیرہ۔

غیر مطبوعہ کتب یا مخطوطات میں بی اے آنرز، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی یا کسی اور سطح کے لیے تحریر کیے گئے سندی مقالہ جات، تخلیقی و غیر تخلیقی مخطوطات، مرکزی و صوبائی حکومت کی غیر مطبوعہ تحریریں وغیرہ شامل ہیں۔ ادبی مخطوطات کی ایک نوع بیاض یا کشکول ہے اس طرح اردو شعرا کے گلدستے بھی مخطوطوں یا غیر مطبوعہ کتب میں شمار ہوتے ہیں۔

جریدے بھی مواد مہیا کرتے ہیں۔ رسائل و اخبارات بھی جریدوں کی ذیل میں آتے ہیں۔ لیکن رسائل و اخبارات کا استعمال تحقیق کار کو بڑی احتیاط کے ساتھ کرنا چاہیے کیونکہ رپورٹرز حضرات بہت سی پابندیوں اور پالیسیوں کے تحت کام کرتے ہیں۔ بعض

اوقات کسی مقصد، مصلحت یا رنگ آمیزی کے لیے بھی واقعات کا رنگ بدل جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود رسائل و جرائد کا مواد تازہ ترین ہوتا ہے۔ اس ضمن میں پروفیسر محمد عارف لکھتے ہیں:

> ''اگر آپ ایک معیاری محقق بننا چاہتے ہیں تو ضرورت اس امر کی ہے کہ رسائل و جرائد، دونوں کو بہترین انداز میں استعمال کرنا سیکھ لیں۔''[۸]

متفرق کاغذات میں کسی مصنف کے منتشر کاغذات، خطوط، تاریخی دستاویزیں، قانونی دستاویزیں، مقدموں کی مسلیں، وصیت نامے، بیع نامے، زائچے، درس گاہوں میں داخلے اور امتحان کے فارم، ملازمت سے متعلق ریکارڈ، انکم ٹیکس ریکارڈ، طبی ریکارڈ، پاسپورٹ، راشن کارڈ، گاڑی یا موٹر سائیکل چلانے کا لائسنس، قومی شناختی کارڈ اور ڈومیسائل سرٹیفکیٹ وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح عدالتوں کے فیصلے، سرکاری اجلاسوں کی رپورٹیں، حلف نامے، اعلان نامے، رسیدیں، اسنادِ معاہدہ، تحریری معاہدے، تحریری اجازت نامے، سرکاری فہارس، نقشے، بینک کے اکاؤنٹ کے مندرجات، یادداشتیں وغیرہ بھی محقق یا تحقیق کار کو مواد کی تلاش اور جمع وفراہمی میں مدد دے سکتے ہیں۔ ان کاغذات کو سید جمیل احمد رضوی ''سرکاری ریکارڈ اور ذاتی ریکارڈ''[۹] کا نام بھی دیتے ہیں۔

سمعی اور بصری مواد سے بھی تحقیق کار اپنے موضوع سے متعلقہ مواد کو حاصل کر سکتا ہے۔ بصری مواد میں فلم، ٹیلی ویژن سے حاصل ہونے والا مواد ہے۔ مائیکرو فلم کے مواد کو Micro Graphics کہا جاتا ہے۔ سمعی مواد میں ریڈیو کے ادبی پروگرام، کیسٹ، ریکارڈ، سی ڈیز، تقریریں، تقریری مکالمے وغیرہ شامل ہیں۔ موسیقی کی دھنوں کا شمار بھی اسی مواد میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ جمیل احمد رضوی سمعی و بصری مواد کو میکانکی ریکارڈ کا نام دیتے ہیں۔ ''یعنی ایسا مواد جسے Tape یا فیتے کی شکل میں تیار کیا جاتا ہے۔''[۱۰]

لوحیں، قبروں کے تعویذ، دیواروں پر لگی لوحیں، مقبروں کے گنبد، دروازوں پر نقوش وغیرہ بھی مواد کی تلاش اور جمع وفراہمی میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس قسم کے مواد

تحقیق آثار کا نام دیتے ہیں۔ جو دو حصوں میں تقسیم ہیں۔

(۱) مادی آثار (۲) مطبوعہ آثار۔

مادی آثار میں عمارتیں، فرنیچر، ساز و سامان، مطبوعات، اوزار و آلات، عطیات (مثلاً تمغے وغیرہ) انسانی ڈھانچے، مٹی کی تختیوں پر تحریریں، کندہ کیے ہوئے پتھر، مہر زدہ سکے۔ برتن اور مجسمے وغیرہ شامل ہیں۔

مطبوعہ آثار میں مطبوعہ کتابیں وغیرہ شامل ہیں۔ بنیادی طور پر مادی آثار کا تعلق ی لوحوں سے بنتا ہے۔ مطبوعہ آثار کو مطبوعہ کتب ہی کی ذیل میں رکھنا ہوگا۔

مصادر کی ایک اور قسم کو خطی مواد کا نام دیا جاتا ہے اس کے مطابق مخطوطات، مٹی کی ایسی تختیاں جن پر خط منخی میں تحریر ہوتی ہے۔ چمڑے پر لکھے ہوئے مخطوطات اور جدید دور کی ٹائپ کی ہوئی دستاویزات اور مصوری کے نمونے بھی خطی مواد میں شامل ہیں۔ لیکن یہ مواد اپنی اصلیت کے لحاظ سے مادی آثار یا غیر مطبوعہ کتب کی ذیل میں رکھا جا سکتا ہے۔

انٹرویو، سوالنامے، کیس اسٹڈی اور سروے بھی مواد کی تلاش اور جمع وفراہمی میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ انٹرویو، سوالنامے اور سروے عام طور پر شماریاتی تحقیق کے لیے مددگار ثابت ہوتے ہیں اور کیس سٹڈی، نفسیاتی طرز تحقیق کا سب سے بڑا آلہ ہے۔ لیکن ان آلات سے ادبی تحقیق میں بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ خصوصاً شخصیات پر مواد تحقیق دینے کے لیے انٹرویو اور سوالنامے کی خصوصی اہمیت ہے۔

تحقیق کار کے لیے مواد کی تلاش اور جمع وفراہمی کے سلسلہ میں آخری مددگار بزرگ محققین اور ماہرین ادب ہیں جنھوں نے ساری زندگی تحقیق اور تجسس میں گزاری۔ یہ مواد گو زبانی یادداشت کے ضمن میں آئے گا۔ لیکن کسی مستند ببلیو گرافی اور قلمی نسخوں کی فہرست کی غیر موجودگی میں محقق کی رہنمائی کے لیے بہت بڑا سہارا ہوگا۔ بشرطیکہ وہ بزرگ محققین اور ماہرین ادب نو آموز تحقیق کاروں کی دل سے مدد کرنے کو تیار ہوں۔

وہ سارا مواد جو ایک تحقیق کار کو وضاحت اور سند بخشے اور نتائج اخذ کرنے میں مددگار ثابت ہو، اہم اور ضروری مواد کہلائے گا۔ مواد کے ضروری اور غیر ضروری ہونے کا

فیصلہ تحقیق کار کی ذہانت، صلاحیت اور قابلیت کرے گی۔ لہٰذا تحقیق کار کو مواد کی تلاش اور جمع وفراہمی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرنا چاہیے۔ اسے حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کی سعی کرنے چاہیے۔ لیکن تحقیق کے میدان میں ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ عام طور پر خلوص، دیانتداری اور سخت محنت و کوشش سے ضروری اور اہم مواد کو مدنظر رکھ کر جو نتائج حاصل کیے جائیں وہی تحقیق کے اصل حقائق ہوتے ہیں۔ لیکن یہ حقائق بھی مشروط طور پر صادر کیے جائیں کیونکہ ممکنہ وسائل کی مدد سے جو نتائج مرتب کیے جاتے ہیں وہ مزید مواد کی دریافت سے تبدیل بھی ہو سکتے ہیں۔ تحقیق میں کوئی بات بھی حرف آخر نہیں ہے۔ تحقیق میں قطعیت اصول تحقیق کے منافی ہے۔

☆☆☆☆

حواشی

1- Richard D. Altick, The Art of Literary Research, (Revised Edition) New York: W.W.Norton & Company Inc, 1975, pag No. 126.

۲۔ عبدالستار دلوی، پروفیسر (ترتیب)، ادبی اور لسانی تحقیق اصول اور طریق کار ممبئی: شعبہ اردو ممبئی یونی ورسٹی، دسمبر ۱۹۸۴ء، ص: ۳۴

۳۔ ش اختر، تحقیق کے طریقہ کار، گیا: تاج پریس باری روڈ، س ن، ص: ۶۸۔۶۷

۴۔ عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر، مبادیات تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، س ن، ص: ۲۳

۵۔ جمیل احمد رضوی، سید، لائبریری سائنس اور اصول تحقیق، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء، ص: ۳۱

۶۔ محمد عارف، پروفیسر، تحقیقی مقالہ نگاری (طریق کار)، لاہور: ادارہ تالیف و ترجمہ پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۸۷

۷۔ اسلم ادیب، ڈاکٹر، تحقیق کی بنیادیں، لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۳ء،

ص: ۹۵۔۹۶

۸۔ محمد عارف، پروفیسر، تحقیقی مقالہ نگاری (طریق کار)، لاہور: ادارہ تالیف و ترجمہ پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۸۷

۹۔ جمیل احمد رضوی، سید، لائبریری سائنس اور اصول تحقیق، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء، ص: ۱۲۵

۱۰۔ ایضاً

☆☆☆☆

بنیادی مآخذ، ثانوی مآخذ

اردو ادب کے موجودہ دور میں جتنا مواد دستیاب ہے اس سے کئی گنا زیادہ مواد ضائع ہو چکا ہے۔ کئی نامور ادیبوں کی نگارشات موجود نہیں ہیں۔ موجودہ دور میں بھی ہر بڑے چھوٹے شہروں میں لاتعداد شاعر موجود ہیں مگر ان میں سے کتنے شعرا کا کلام محفوظ رہے گا معلوم نہیں، قدیم دور میں دہلی اور لکھنو میں سینکڑوں شاعر تھے مگر ان میں سے چند شعرا کا کلام ہی آج دستیاب ہے۔

تحقیق میں تحقیق کار کا پہلا قدم مآخذ کی تلاش اور کھوج ہے۔ مآخذ کو مواد بھی کہتے ہیں۔ مآخذ سے مراد وہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مواد ہے جس سے اخذ و استفادے کے ذریعے تحقیق کار اپنے موضوع سے متعلق نتائج حاصل کر کے اپنی تحقیق کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ چونکہ مآخذ مواد ہی محقق یا تحقیق کار کے غور و فکر کی بنیاد بنتا ہے اس لیے اس کی فراہمی بہت ہی ضروری ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے ان کتابوں کو تلاش کرنا ہوگا جو تحقیق کار کے موضوع تحقیق سے متعلق ہوں گی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عندلیب شادانی اپنے مقالے میں تحریر کرتے ہیں:

> ''ریسرچ کار کا دارومدار مآخذوں پر ہی ہوتا ہے۔ اس لیے ہر نوع کے مآخذوں کی ایک مفصل اور مکمل فہرست تیار کر لینی چاہیے۔''[۱]

ادبی مواد متعدد قسم کا ہوتا ہے جن کی قسموں کو دو مختلف بنیادوں پر تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ اولین (Primary) اور ثانوی مآخذ

۲۔ داخلی اور خارجی مآخذ

یعنی بنیادی مآخذ اور ثانوی مآخذ، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور زاہد منیر عامر ان کی

تقسیم کچھ اس طرح کرتے ہیں:

''۱۔ بنیادی مآخذ (Primary Sources)

کسی موضوع سے متعلق براہ راست معلومات فراہم کرنے والی کتب، مقالات، روزنامچے، دستاویزات، مخطوطات اور خطبات وغیرہ۔ مثلاً ایک واقعے کے عینی شاہد کا بیان، خواہ تحریر کی شکل میں ہو یا تقریری صورت میں، اس واقعے سے متعلق تحقیق کا بنیادی مآخذ کہلائے گا۔ بنیادی مآخذ کو مصادر بھی کہتے ہیں۔

۲۔ ثانوی مآخذ (Secondary Sources)

کسی موضوع سے متعلق بالواسطہ معلومات فراہم کرنے والی کتب، مقالات اور دیگر تحریریں ان میں بنیادی مآخذ سے استفادہ کر کے لکھی جانے والی تحریریں اور تراجم وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ایسی تحریروں کو مراجع بھی کہا جاتا ہے۔''[۲]

دونوں بنیادی قسموں کا اطلاق زیادہ تر ایک مفرد ادیب پر تحقیقی کار میں ہوتا ہے۔ اولین مواد زیر تحقیق ادیب کی جملہ تخلیقات اور دوسری تحریروں مثلاً مسودوں، ڈائری، خطوط وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ تاریخی دستاویزات، قانونی دستاویزات، طبی ریکارڈ، تعلیمی ریکارڈ، ملازمت کا ریکارڈ، ٹیپ ریکارڈ وغیرہ بھی اولین مآخذ ہیں۔ بقیہ مواد ثانوی کہلائے گا۔ سید جمیل احمد رضوی اپنے مقالے میں یوں تحریر کرتے ہیں:

> ''(بنیادی مآخذ کے بارے میں) یہ وہ دستاویزات ہوتی ہیں جن میں ان واقعات وغیرہ کا ریکارڈ شامل ہوتا ہے جن کو مصنف نے خود دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا۔ یعنی بنیادی مصادر میں چشم دید شہادت موجود ہوتی ہے جو تاریخ کی معقولیت اور قدر و قیمت کو بڑھا دیتی ہے۔

(ثانوی مآخذ کے بارے میں) یہ وہ ریکارڈ ہوتے ہیں جن کو
فرد یا افراد مرتب کرتے ہیں جو خود واقعے میں شریک نہیں
ہوتے یا جنہوں نے خود اس واقعے کا مشاہدہ نہیں کیا
ہوتا۔"[۳]

داخلی اور خارجی مواد یا شہادت کا تعلق کسی متن سے ہوتا ہے۔ ادبی تحریروں کے علاوہ بعض اوقات غیر ادبی تحریروں میں بھی ادیبوں کے بارے میں مفید معلومات میسر آجاتی ہیں۔ مآخذی مواد کو ڈاکٹر گیان چند نے کچھ اس طرح تقسیم کیا ہے:

"(۱) کتابیں جن کی دو قسمیں ہیں:
(الف) مطبوعہ (ب) قلمی یا خطی
ان میں ادبی مخطوطات کے علاوہ مسودے، ڈائریاں، میونسپل
رجسٹر، سکول رجسٹر وغیرہ بھی شامل ہیں۔
(۲) جریدے۔ ان میں رسالوں کے علاوہ اخبار بھی شامل
ہیں۔
(۳) دوسرے کاغذات جن میں کسی مصنف کے منتشر
کاغذات، خطوط، تاریخی دستاویزات، قانونی دستاویزیں
بشمول مقدمے کی مسل، وصیت نامے، بیع نامے، زائچے،
درسگاہوں میں داخلے اور امتحان کے فارم، ملازمت سے
متعلق ریکارڈ، انکم ٹیکس ریکارڈ، طبی ریکارڈ، پاسپورٹ، راشن
کارڈ، گاڑی چلانے کا لائسنس۔
(۴) بصری مواد یعنی فلم، ٹیلی ویژن، فوٹو البم وغیرہ۔
(۵) مائیکرو فلم۔ جس کے مواد کو Micro Graphics کہا
جاتا ہے۔
(۶) سمعی مواد۔ ریکارڈ یعنی کیسٹ (Cassette) ریڈیو

کے ادبی پروگرام یعنی تقریریں، مباحثے وغیرہ۔
(۷) لوحیں، قبروں کے تعویذ، دیواروں پر لوحیں، قبروں کے
گنبد، دروازوں پر نقوش۔
(۸) ملاقات (انٹرویوز)
(۹) مراسلت کے ذریعے استفسار، سوال نامے۔"[۴]

کتابوں کی قسموں میں مخطوطات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کی ایک قسم بیاض یا کشکول ہے۔ یہ ایسی دستاویزات بھی ہوتی ہیں جو خطی یا ٹائپ کی ہوں۔ ان میں خطوط، تاریں، روزنامچے، رسیدیں، ذاتی حالات، فہرستیں، اجلاس کی رودادیں، معاہدے، ٹیکس کے ریکارڈ، قانونی سرٹیفکیٹ، مثلاً پیدائش، موت اور شادی وغیرہ، ادبی کتب، تقاریر اور دوسری دستاویزات کے اصل مسودات جو شخصیت یا افراد سے متعلق ہوں، شامل ہیں۔

جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو پر تبصرہ کرتے ہوئے، رشید حسن خان نے اعتراض کیا ہے کہ مؤلف نے مجہول الاحوال بیاضوں کا حوالہ دیا ہے۔ یہ اعتراض کہاں تک درست ہے۔ اس کا جواب ڈاکٹر گیان چند یوں دیتے ہیں:

"اگر مجہول الاسم مخطوطوں اور بیاضوں کو حرف غلط قرار دیا
جائے تو آئندہ کے لیے قدیم اردو ادب میں ایک نظم، ایک
شعر، ایک نثری سطر کا اضافہ ممکن نہ رہے گا۔"[۵]

ڈاکٹر جمیل جالبی نے بیاضوں سے ڈھونڈ کر دکنی شاعر محمود کی چند غزلیں بہم پہنچائیں۔ مشتاق، خیامی، حسن شوقی، فیروز وغیرہ کی غزلیں بھی اسی طرح کم معتبر ذرائع سے دستیاب ہوئیں۔ واقعی اگر محقق ان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے تو اردو غزل کی تاریخ سے ان شعرا کو الگ کر دینا ہوگا۔

خطوط اور ذاتی ڈائریاں بھی مآخذ میں شامل ہیں۔ جب کوئی تحقیق کار کسی ادیب کی سوانح حیات تحریر کر رہا ہو تو یہ دونوں بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ خطوط میں ایک طرف تو علمی و ادبی معاملات پر بحث ہوتی ہے تو دوسری طرف ان میں شخصیت کی ذات بے

نقاب ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ جیسے اقبالؔ، غالبؔ کے خطوط وغیرہ۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری خطوط کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

''خط چونکہ غیر رسمی ہوتے ہیں اس لیے ان میں مصنف کے کردار و اعمال کی صحیح تصویر ملتی ہے۔''[۷]

مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے سرکاری ریکارڈز جن میں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کی دستاویزات شامل ہیں۔ مثلاً آئین، قوانین، چارٹرز، عدالتی روداد یں، فیصلے، ٹیکس کی فہرستیں و اعداد و شمار وغیرہ اور وہ معلومات جن کو مرکزی یا صوبائی محکمہ تعلیم کے شعبے، کمیشن، پیشہ وارانہ انجمن، انتظامی اتھارٹی ترتیب دیتی ہیں مثلاً کمیٹیوں کی روداد یں، انتظامی نوعیت کے احکام، سالانہ رپورٹیں، میزانیے، تنخواہوں کی فہرستیں، حاضری کے ریکارڈ، حادثات کی رپورٹیں اور کھلاڑیوں کے ریکارڈ وغیرہ بھی نو آموز تحقیق کار کو کافی مآخذ مہیا کر سکتے ہیں۔ مقدموں کی بھی مآخذ میں کافی اہمیت رہی ہے مثلاً منٹو کی فحش نگاری کے مقدمے کی قانونی دستاویزیں جن میں بیچ نامے، وصیت نامے وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اسی طرح زائچے سے بھی کسی ادیب یا شاعر کی صحیح تاریخ ولادت متعین ہو سکتی ہے۔ طبی ریکارڈ سے بھی بہت کچھ مل سکتا ہے۔ درسگاہوں کے ریکارڈ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جیسے فورٹ ولیم کالج کے سلسلے میں کیا گیا۔ اسی طرح رجسٹر، مدرسوں کی تنخواہوں وغیرہ کو دیکھ کر صحیح ترین معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ سرکاری ریکارڈ کے سلسلہ میں ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

''ان میں قانونی ریکارڈ، انتظامی رپورٹیں، متعلقہ کمیٹیوں اور روداد یں وغیرہ شامل ہیں اس قسم کی دستاویزات کو حوالے کے اعتبار سے مستند سمجھا جاتا ہے کیونکہ ان کو متعلقہ ادارے پوری ذمہ داری اور پوری احتیاط سے تیار کرتے ہیں۔ اس لیے ان میں کسی غلطی کی گنجائش مقابلتاً کم رہ جاتی ہے۔''[۷]

بصری مواد، فلم، ویڈیو، فوٹو البم، سی ڈیز کے ذریعے ملتا ہے۔ ٹی وی مباحثے، تصویریں، فلم وغیرہ ادیب کے سوانح کے بارے میں اولین مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان

تصویروں سے قدما کی شخصیت کے تعین میں مدد ملتی ہے۔ تصاویر سے شخصیت کے عزیز و اقارب، دوستوں وغیرہ کی معلومات بھی ملتی ہیں۔ تصویری ریکارڈ کے سلسلہ میں تصاویر، متحرک تصاویر اور متحرک فلمیں، مائیکرو فلمیں، مصوری کے نمونے، ڈرائنگ کے نمونے، سکے اور مجسمے آتے ہیں۔

سمعی مواد میں، ریڈیو، گراموفون ریکارڈ، سی ڈیز اور Cassette Tape وغیرہ ہیں۔ ٹی وی اور ریڈیو کا ایک پہلو سمعی بھی ہو سکتا ہے۔ میکانکی ریکارڈ میں شخصیوں سے کیے گئے انٹرویو، تقریریں اور لیکچروں کو ٹیپ ریکارڈنگ کی شکل میں محفوظ کیا جاتا ہے۔ مثلاً فیتے کی شکل میں تیار کر لیا جاتا ہے آج کل تو سی ڈیز میں بھی ان مآخذ کو محفوظ کیا جا رہا ہے۔

مقبروں، سادہ قبروں، گنبدوں، دروازوں اور دیواروں پر نصب لوحوں اور نقوش سے بھی کئی مفید باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اردو کے بعض ادیبوں کی قبروں کی لوح سے ان کی تاریخ وفات کا تعین ہوتا ہے۔ لاہور میں علامہ اقبال کے مقبرے پر بھی بہت کچھ نقش ہے۔ سعادت حسن منٹو کی قبر پر جو کتبہ نصب ہے اس پر درج ذیل تحریر نقش کی گئی ہے۔

''تاریخ پیدائش: ۱۱ مئی ۱۹۱۱ء یہاں سعادت حسن منٹو دفن ہے۔ اس کے سینہ میں فن افسانہ نگاری کے سارے اسرار و رموز دفن ہیں۔ وہ اب بھی منوں مٹی کے نیچے سوچ رہا ہے کہ وہ بڑا افسانہ نگار ہے یا خدا؟

''سعادت حسن منٹو۔ ۱۸/اگست ۱۹۵۴ء''

(تاریخ وفات: ۱۸ جنوری ۱۹۵۵ء)

اس کتبے سے منٹو کی صحیح تاریخ ولادت و وفات نیز اس کی شخصیت کا ایک مخصوص زاویہ واضح ہوتا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند قبروں کے کتبوں کی اہمیت کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

''چوں کہ قبریں اور مقبرے مرحوم کی وفات کے فوراً بعد بنتے ہیں، اس لیے ان کے کتبے بالعموم معتبر ہوتے ہیں۔''[۸]

انٹرویو یا ملاقات سے بھی تحقیق کے میدان میں کافی مدد لی جاتی ہے۔ اگر ادیب

زندہ ہے تو اس کے ساتھ بات چیت کر کے اس کے حالات زندگی، تخلیقات اور دوسری معلومات کو حاصل کیا جاتا ہے، اور اگر وہ انتقال شدہ ہے تو اس کے پسماندگان، عزیز و اقارب، دوست احباب سے مل کر ان کے بارے میں مفید معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ انٹرویو کی افادیت کے بارے میں ڈاکٹر ش اختریوں تحریر کرتے ہیں:

> ''آدمی کے خیالات ونظریات اور عقائد کو سمجھنے کے لیے انٹرویو ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے موثر طور پر ساری اطلاعات حاصل کی جاسکتی ہیں۔''۹

نو آموز تحقیق کار سوال ناموں کے ذریعے سے بھی اپنی تحقیق کے لیے مواد کی تلاش کی سعی کرتے ہیں۔ وہ مختلف اشخاص کی خدمت میں سوال نامہ بھیج کر اپنے موضوع سے متعلق مفید مواد حاصل کرتے ہیں۔ انگریزی کتابوں میں سوال نامے کا ذکر ملتا ہے۔ اس سے مفید معلومات مل تو جاتی ہیں لیکن ڈاکٹر گیان چند کہتے ہیں: ''اردو ادب کی تحقیق میں سوال نامے کی افادیت محدود بلکہ مشکوک ہے۔''۱۰

کتاب اہم مآخذ ہے۔ یہ مطبوعہ اور قلمی دونوں شکلوں میں ہوسکتی ہے۔ کتاب کی تلاش میں لائبریریوں سے استفادہ ضروری ہے۔ کتب خانوں کے علاوہ اپنے رہنما یعنی نگران کی معلومات سے بھی استفادہ کرنا ضروری ہے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو اپنے استاد کے علاوہ دوسرے اساتذۂ فن سے بھی مشورہ کر لینا چاہیے۔

اخبارات، رسائل اور پمفلٹ بھی حقائق کو محفوظ کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ اخبارات سند کا درجہ نہیں رکھتے کیونکہ ان میں مکمل طور پر تفصیل درج نہیں ہوتی پھر بھی بعض اوقات اخبار دستاویز کے طور پر کام دے جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس دستاویزی تحقیق میں رسائل کی بہت اہمیت ہے۔ اس لیے کہ جدید دور میں تحریریں بالعموم پہلے رسائل میں ہی شائع ہوتی ہیں۔ رسائل کی ایک افادیت یہ بھی ہے کہ ادیبوں اور شاعروں کا کلام ان میں محفوظ ہوتا ہے۔ ان میں سے بیشتر تحریریں ان کی باقاعدہ کتابوں میں شامل نہیں ہوتی۔ ان رسائل کی مدد سے غیر مدون تحریروں کو کتابی صورت دی جاسکتی ہے۔ پمفلٹ بظاہر غیر اہم

محسوس ہوتے ہیں لیکن اہم تاریخی موقعوں پر شائع شدہ پمفلٹ دستاویزی تحقیق کا اہم حصہ بن سکتے ہیں۔

واقعات کی عینی شہادت بھی دستاویز بن سکتی ہے۔ اگر وہ وقوعہ کے وقت ہی تحریر کی گئی ہو۔ لیکن دیکھنا یہ ہوگا کہ شہادت تحریر کرنے والا شخص شہادت آزادی سے دے رہا ہے یا نہیں، اس پر کسی قسم کی پابندی یا دباؤ تو نہیں ڈالا گیا۔

سوانح عمریاں، آپ بیتیاں اور یادداشتیں بھی دستاویزی تحقیق میں خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔ سوانح عمریوں اور آپ بیتیوں سے کسی مصنف کی زندگی کے بارے میں قیمتی معلومات دستیاب ہوسکتی ہیں۔ یادداشتیں ان واقعات کی یاداشت یا رپورٹ ہوتی ہے جس کی بنیاد پر کسی مصنف کی زندگی، اس کے مشاہدات یا اس کی کسی خاص اطلاع کے بارے میں تفصیلات میسر ہوں۔

ملفوظات اور تذکرے بھی دستاویزی تحقیق کے لیے اہم معلومات فراہم کرتے ہیں۔ زبانی روایات جن میں اساطیر، لوک کہانیاں، خاندانی کہانیاں وغیرہ بھی ایک نو آموز محقق کے لیے مآخذات کا ذریعہ ثابت ہوسکتی ہیں۔

تاریخی تحقیق کرنے والوں کے لیے آثار بھی (Remains) معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ ان میں مادی (Physical) آثار اور مطبوعہ آثار شامل ہیں۔ مادی آثار میں عمارتیں، فرنیچر، ساز وسامان، ملبوسات، اوزار وآلات، عطیات یعنی تمغے وغیرہ اور انسانی ڈھانچے شامل ہیں۔ ان کے علاوہ مٹی کی تختیوں پر تحریریں، کندہ کئے ہوئے پتھر، مہر زدہ سکے، برتن اور مجسمے بھی شامل ہیں۔ مطبوعہ آثار میں نصابی کتب، معاہدات، حاضری کے فارم، رپورٹ کرنے کے کارڈ اور اخباری اشتہارات وغیرہ شامل ہیں۔

مآخذ کے سلسلے میں یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیے کہ تمام مآخذ یکساں طور پر قابل اعتبار نہیں ہوتے۔ بعض کا مستند اور معتبر ہونا مسلم ہے اور بعض ساقط الاعتبار ہیں۔ دونوں کے درمیان حد فاصل کھینچنے کے لیے پوری احتیاط لازم ہے۔ کسی غیر مستند مآخذ سے

حاصل کی ہوئی اطلاع ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اس لیے دوسرے معتبر مآخذ سے اس کی تائید ضروری ہے۔ کسی مآخذ کا نسبتاً قدیم ہونا یا واقعات کا معاصر ہونا یقینی اہمیت رکھتا ہے لیکن یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ علمی دنیا میں اس کا کیا مقام ہے۔ کبھی کبھی تو چشم دید واقعات بھی قابل قبول نہیں ہوتے کیونکہ عقل انہیں تسلیم نہیں کرتی یا دوسرے حالات سے ان کی تائید نہیں ہو پاتی۔

☆☆☆☆

حواشی

۱۔ عندلیب شادانی، ڈاکٹر، مقالہ، تحقیق اور اس کا طریق کار، مشمولہ: اردو میں اصول تحقیق، جلد دوم، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، ص: ۴۳۔۴۲

۲۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، زاہد منیر عامر، مقالہ، مقالہ نگاری: طریق کار اور ضوابط، مشمولہ: تحقیق شناسی، مرتبہ: رفاقت علی شاہد، لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۱۶

۳۔ جمیل احمد رضوی، سید، مقالہ، دستاویزی طریق تحقیق، مشمولہ: اردو میں اصول تحقیق، جلد اول، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۵۳

۴۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲ء، ص: ۱۴۱۔۱۴۰

۵۔ ایضاً، ص: ۱۴۱

۶۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ادبی تحقیق کے اصول، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،

۱۹۹۶ء، ص: ۷۹

ایضاً، ص ۷۷:

۷۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲ء، ص: ۱۴۷

۸۔ ش اختر، ڈاکٹر، تحقیق کے طریقہ کار، گیا: تاج پریس، س ن، ص ۱۰۷

۹۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲ء، ص: ۱۴۸

۱۰۔

☆☆☆☆

خاکہ سازی: تحقیقی میدان میں پہلا عملی قدم

موضوع کے انتخاب اور اس کی تشکیل کے بعد محقق میدان تحقیق میں عملی قدم رکھتا ہے۔ اس سفر کے مختلف مراحل طے کرنے سے پیشتر وہ یہ ضرور خیال کرتا ہے کہ وہ کس راستے کو اختیار کرے تاکہ بآسانی اپنی تحقیق کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔ خاکہ سازی اصل میں اسی راستے کا ابتدائی تعین ہے۔ عام طور پر خاکہ سازی کے لیے لفظ Synopsis استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ انگریزی زبان کے لفظ کا ترجمہ ہے۔ Synopsis دو الفاظ Syn اور Opsis کا مجموعہ ہے۔ Syn کا معنی ایک ساتھ اور Opisis کے معنی نظر ڈالنا کے لیے جاتے ہیں۔ لہٰذا Synopsis سے مراد ایک ساتھ دیکھنا یا نظر ڈالنا ہے۔ اردو ادب میں تحقیقی مقالہ جات کے ابتدائی خدوخال کو خاکہ (Synopsis) کہا جاتا ہے۔ یہ تسوید سے پہلے کا مرحلہ ہے۔ خاکہ سازی مطالعہ سے پہلے کی جاتی ہے۔ لیکن یہ کام بعض اوقات پس منظری مطالعہ کے بعد بھی کیا جاتا ہے۔

مقالے کی تسوید کا کام مناسب خاکے کے بغیر نہیں ہو پاتا لیکن موضوع کے انتخاب کے بعد تحقیق کار اپنے مقالے کے بنیادی اور نمایاں حصوں کو منطقی ترتیب سے الگ ضرور کر لیتا ہے۔ تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ وہ قاری کو کیا کہنا چاہتا ہے۔ مواد کی فراہمی اور چھان بین کرنے کے بعد مواد کو الگ الگ کرنے میں بھی اولین خاکہ ہی مدد دیتا ہے۔ اولین طور پر خاکہ سازی اسی وقت ممکن ہے جب محقق پس منظری مطالعہ کر چکا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک نوآموز تحقیق کار یا محقق خاکہ سازی کو دو سطحوں یا مراحل پر کرتا ہے۔

(الف) موضوع کی تلاش اور انتخاب کے بعد اور مواد کی تلاش و جمع و فراہمی سے پہلے۔

(ب) مواد کی تلاش اور جمع و فراہمی و جانچ کے بعد اور تسوید سے پہلے۔

انتہائی مناسب تو یہ ہے کہ نقش اول کے طور پر مطالعہ سے قبل خاکہ سازی کر لی

جائے اور بعد ازاں مطالعے کے تقاضوں کے پیش نظر مختلف مراحل میں یہ بدلتا رہے۔ یہاں تک کہ دوسرے مرحلے تک نقش آخر کی صورت گری ہو جائے۔ اکثر اوقات تسوید کے دوران بھی خاکے کے نقش آخر میں تبدیلی کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ خاکہ سازی کے ابتدائی مرحلے میں ابتدائی کتابیات بھی مرتب کر لی جاتی ہیں تاکہ مواد کی فراہمی کا کام آسانی سے ہو سکے۔

خاکے کی اہمیت عمارت کے نقشے کی سی ہوتی ہے۔ جس طرح ایک معمار اچھے نقشے کی مدد سے کم جگہ کو بخوبی استعمال کر سکتا ہے اسی طرح ایک تحقیق کار ایک اچھے خاکے کی مدد سے کم وسائل کے ساتھ بھی اچھے نتائج مرتب کر سکتا ہے۔ سندی تحقیق کے لیے اولین طور پر خاکہ یونیورسٹی کے عہدہ داروں یا یونیورسٹی کی طرف سے قائم کردہ کمیٹی کو جانچ پڑتال کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ کمیٹی خاکے کو بیرونی ممتحن کو جانچ پڑتال کے لیے ارسال کر کے حتمی رائے طلب کرتی ہے۔ بیرونی ممتحن خاکے کی مدد سے موضوع کی اہمیت، افادیت اور قابل تحقیق ہونے یا نہ ہونے کے متعلق فیصلہ دیتے ہیں۔ اس طرح تحقیق کار کے لیے حتمی تحقیق کا تعین کیا جاتا ہے۔

پروفیسر محمد عارف خاکہ سازی کی ضرورت کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

> ''تعارفی پیراگراف کے بعد، آپ کا اگلا کام مقالے کا ڈھانچہ کھڑا کرنا ہے آپ کے سامنے، میز پر بکھرے ہوئے مواد کو کنٹرول کرنے کے پیش نظر، خاکہ وضع کر لینا ضروری ہے۔ خاکہ سازی کئی مراحل میں ہوتی ہے۔ آخری مرحلے میں یہ مقالے کے مکمل منصوبے کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ جہاں پر ایک نوٹ کارڈ کو اس کا موزوں ترین موقع محل میسر آجاتا ہے۔''[1]

ڈاکٹر ش اختر خاکہ سازی میں نگران کی شمولیت کو ضروری خیال کرتے ہوئے یوں تحریر کرتے ہیں:

"موضوع کے انتخاب کے بعد نگران کا فرض ہے کہ وہ موضوع کا جائزہ لے اور ایک Synopsis بنائے۔ قاعدہ کے مطابق یہ کام اسکالر کو خود کرنا چاہیے نگران اس میں ترمیم بے شک کر سکتا ہے لیکن ان دنوں دانشگاہوں اور سکالروں کی جو حالت ہے اس کے پیش نظر یہ ذمہ داری بھی نگران کو قبول کر لینی چاہیے۔"[۲]

ڈاکٹر عندلیب شادانی خاکے کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے مقالہ نگاری میں اسے تیسرے مرحلے کا درجہ دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"ماخذوں کی فہرست تیار کر لینے کے بعد ہم تیسرے مرحلے میں داخل ہوتے ہیں۔ اب ہمیں اپنے مقالے کا ایک خاکہ تیار کر لینا چاہیے۔ خاکہ بنائے بغیر مقالہ لکھنا ایسا ہی ہے جیسے نقشے کے بغیر مکان تعمیر کرنا۔ خاکہ بنانے کے بعد ذہنی طور پر مقالے کی ایک ہیئت متعین ہو جاتی ہے۔ اس نقشے پر عمارت بنانا آسان ہے۔ خاکے میں جو عنوانات قائم کئے جائیں ان میں ترتیب زمانی کا لحاظ مفید ہے بلکہ ضروری ہے، مطالعے کے دوران میں خاکے کے جس عنوان کے متعلق مواد ہاتھ آئے اسے اسی عنوان کے تحت درج کر لینا چاہیے۔"[۳]

خاکہ تیار کرنا بھی ایک فن ہے، اس کو ترتیب دینے سے پہلے تحقیق کار کے لیے ابتدائی مطالعہ انتہائی ضروری ہے۔ تحقیق کار کو اپنے تحقیقی موضوع سے متعلقہ جتنا مطالعہ ہوگا خاکہ اتنا ہی آسانی سے مرتب کر لے گا۔ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش نے خاکہ کی تشکیل کے سلسلہ میں چند مفید باتیں تحریر کی ہیں، ملاحظہ ہوں:

"موضوع کے انتخاب کے بعد محقق کو تحقیقی کام شروع کرنے سے پہلے کئی اقدامات کی منصوبہ بندی کرنا ہوگی، جس کے

تحت وہ اپنے کام کی تکمیل کر سکے۔ اس مقصد کے لیے ایک خاکہ تشکیل دیا جا سکتا ہے جس میں مندرجہ ذیل اقدامات کی وضاحت کی جائے تاکہ منصوبہ بندی کے تحت کام کا آغاز ہو۔

۱۔ موضوع، جس پر تحقیقی کام کیا جائے۔
۲۔ موضوع کی اہمیت اور اس کے دوسرے اہم پہلو۔
۳۔ مفروضات زیر تحقیق موضوع کی ابتدا، چند معروضات کی بنیاد بنا کر کی جاتی ہے چنانچہ خاکہ میں موضوع سے متعلق سوالات کے عارضی حلوں یا ممکنہ نتائج کو (Hypothesis) کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔
۴۔ نمونہ اور نمونہ بندی کا طریقہ کار (Sampling)۔
۵۔ مفروضوں کی تردید یا تصدیق کے لیے شماریاتی تجزیے کا طریقہ (Statistical Analysis)۔
۶۔ آزمائشی تحقیق کے تمام منضبط اقدامات کا ذکر۔
۷۔ مواد اکٹھا کرنے کے ذرائع و آلات اور اعداد و شمار اکٹھے کرنے کا طریقہ کار۔
۸۔ زیر تحقیق موضوع پر تحقیق مکمل کرنے کی مدت کا تعین۔
۹۔ اس کام پر صرف آنے والے اخراجات کی تفصیل وغیرہ۔"[۴]

ابتدائی خاکہ اپنی آخری شکل تک پہنچتے پہنچتے کئی مراحل طے کرتا ہے۔ ان مراحل میں مزید مطالعے اور وقت کے ساتھ ساتھ کئی بار ترمیم و تبدیلی اور اضافے کئے جاتے ہیں۔ بعض اوقات تو مقالے کے اختتام تک خاکہ اپنی اصل شکل و صورت مکمل طور پر تبدیل کر لیتا ہے۔ چونکہ خاکہ سازی تحقیق کار کا تحقیق میں پہلا قدم کہا جاتا ہے لہٰذا اس میں ردوبدل ہوتا رہتا ہے۔ ملک کی کچھ یونیورسٹیوں میں اس کی اجازت بھی ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر گیان

چند کی تفصیلی بحث کو پیش کیا جاتا ہے:

"میری رائے میں خاکہ بنانا مقالے کی تیاری کی طرح ایک مسلسل عمل ہے۔ مطالعہ شروع کرنے سے پہلے ذہن میں اس کے بارے میں کوئی تصور ہونا چاہیے۔ اگر نہیں ہے تو بیٹھ کر اپنے خلاق و فعال تخیل کو سرگرم عمل کیجئے اور کوئی نہ کوئی، دھندلی ہی سہی، شکل متعین کیجئے۔ اس کے بعد مواد اکٹھا کیجئے مطالعہ کیجئے اور اسے ترتیب دیجئے۔ بہت ممکن ہے کہ سامنے موجود مواد کی روشنی میں بنائے عارضی خاکے میں رد و بدل کرنی پڑے۔ اس کے بعد جب تسوید کریں گے تو معلوم ہوگا کہ بعض عنوانات پر بہت لکھا گیا ہے۔ بعض پر بہت کم۔ پھر سے ابواب کی گروہ بندی اور ترتیب کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ ابواب کے اندرونی حصوں (باب میں ذیلی عنوانات والے اجزاء) کی ترتیب بدلی جا سکتی ہے۔ اس طرح تسوید کے ساتھ یا بعد میں۔ پھر خاکے کو آخری شکل دینی ہوگی۔ گویا خاکے کی تیاری اور اس کی آخری قطعی شکل میں تین منزلیں ہیں۔ نقش اول، کام شروع کرنے پر مواد کی فراہمی سے بھی پہلے، نقش ثانی، مواد کی فراہمی اور مطالعے کے بعد، نقش آخر، تسوید کے بعد، اگر خاکے میں اس طرح ارتقا اور ترتیب کا عمل جاری رہے گا تو آخری خاکہ بہت باترتیب، چست اور منظم ہوگا۔" ۵

خاکے کی تیاری کے بغیر مقالے کو تحریر کرنا بہت مشکل عمل ہے۔ خاکہ سازی مواد کی ترتیب کی مکمل ترین صورت ہے۔ خاکہ سازی کا عمل کام کو خوبصورت انداز میں پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا احسن طریقہ ہے۔ اس طریقہ سے کام کرنے سے کام اور محقق دونوں کی عزت و وقار بڑھتا ہے۔ خاکہ کو کن اصول و ضوابط سے مکمل کیا جائے اس کے لیے کوئی خاص طریقہ

واضح نہیں کیا گیا۔ مختلف موضوعات کے لیے مختلف طریقوں سے خاکہ سازی کی جاتی ہے۔ بہرحال ایم اے۔ ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح کی سندی تحقیق کے لیے خاکہ کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک اچھے خاکے کے لیے مندرجہ ذیل حصے ہوتے ہیں:

۱۔ دیباچہ:

یہ مقالے کا پہلا حصہ ہوتا ہے۔ لیکن اسے مقالے کی تکمیل کے بعد تحریر کیا جاتا ہے۔ اس میں موضوع کا تعارف، موضوع کی حدود، پس منظر اور تحقیقی کام کے اغراض و مقاصد کا بیان ہوتا ہے۔ تحقیقی عمل کے پایۂ تکمیل تک پہنچ جانے پر بھی کئی نئے گوشے، نئی چیزیں، موضوع سے متعلق کچھ نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔ لہٰذا ان سب کا تذکرہ دیباچے میں کر دیا جاتا ہے۔ دیباچے کی جگہ تعارف، پیش لفظ، سخن ہائے گفتنی، چند گزارشات، احوالِ واقعی وغیرہ بھی لکھا جاتا ہے مگر اس کے بنیادی اجزا وہی رہتے ہیں۔ دیباچے کا اسلوب جذباتی اور بے ربط ہونے کی بجائے منطقی ہوتا ہے۔ تحقیق کار اپنے تحقیقی کام کے طریقہ کار اور ابواب کا تعارف بھی دیباچے میں کرتا ہے۔ دیباچے کے آخر میں اظہار تشکر کے طور پر ان تمام احباب کا شکریہ بھی ادا کیا جاتا ہے جنہوں نے تحقیق کار کی مقالہ تحریر کرنے میں مدد کی ہے۔

۲۔ پس منظر:

عام طور پر پس منظری معلومات کا بیان مقالے میں اس کے حجم کو بڑھانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ جدید طریق تحقیق میں مقالے کی کیفیت، کمیت کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کی حامل ہے لہٰذا اگر پس منظری ضروری معلومات کے بغیر موضوع مبہم ہو تو ایسی معلومات ضرور دی جائیں ورنہ محض روایت کا ذکر کرنے کے لیے صفحات سیاہ کرنا مناسب نہیں ہے۔

۳۔ ابواب بندی:

ابواب بندی کے لیے اعلیٰ درجے کے تحقیقی مقالوں اور معیاری تحقیقی کتب سے

مدد لی جاتی ہے۔ محقق تجربہ کار اساتذہ یا اپنے مقررہ نگران سے بھی اس سلسلہ میں مدد لے سکتا ہے۔ ابواب بندی کرتے ہوئے دیکھنا چاہیے کہ ان میں منطقی ربط اور تسلسل موجود ہو اور ہر باب میں موضوع سے متعلق مسائل کی تشریح ہو۔

۴۔ اختتامیہ:

مقالے کا آخری باب اختتامیہ کہلاتا ہے۔ تحقیق کار اپنی تحقیق کے مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے تمام تر Findings کو جمع کرتا ہے۔ اس حصہ میں وضع کردہ مفروضوں کی تائید یا تردید کی جاتی ہے۔

۵۔ کتابیات:

کتابیات سے مراد تحقیق کار کے زیر مطالعہ وہ کتب ہیں جو اسے مقالہ تحریر کرتے وقت پڑھنا پڑیں۔ ان کی فہرست وہ اپنی تحقیق سے قبل اور تحقیق کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے بعد تیار کرتا ہے۔ مقالے کے کتابیات والے حصے کے مطالعہ سے ممتحن یا قاری مقالے کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگاتا ہے۔ اولین مرحلے میں ابتدائی کتابیات کی فہرست تیار ہوتی ہے مگر مقالے کے اختتام تک کتابیات میں بہت حد تک تبدیلی آ جاتی ہے۔ کچھ کتابیں کم ہو جاتی ہیں اور بعض کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ کتابیات میں مختلف کتابوں اور دیگر مآخذ کا اندراج مصنف کے حوالے سے الف بائی ترتیب میں کیا جاتا ہے۔

کتابیات کے ضمن میں ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی لکھتے ہیں:

> ''کتاب یا مقالہ کے خاتمہ پر مآخذ کی فہرست دینا آج کل کا عام دستور ہے۔ اس فہرست سے اصل کتاب کے مآخذ معلوم ہونے کے علاوہ مواد کے استناد، اہمیت و افادیت وغیرہ کا اندازہ ایک جھلک میں ہو جاتا ہے۔ کتابیات محض کتابوں کے زیادہ سے زیادہ نام گنوانے کے لیے نہ ہوں۔ جو کتاب براہ راست موضوع سے تعلق رکھتی ہو اور اس سے مصنف یا

> مقالہ نگار نے اپنی تصنیف یا مقالہ میں استفادہ کیا ہو۔''[۷]

ضمیمہ:

۶۔ تحقیق کے دوران اگر ایسی معلومات حاصل ہوں جو تحقیق اور قاری دونوں کے لیے سودمند ہوں مگر متن میں ان کا ذکر، متن کی روانی کو متاثر کرے تو ایسی معلومات کا ذکر ضمیمے میں کیا جاتا ہے۔ بعض اہم معلومات، مقالہ نگاری کے بالکل آخری مراحل میں حاصل ہوتی ہیں۔ ان کو بھی ضمیمے میں جگہ دی جائے گی۔ لیکن ضمیمہ ہر تحقیق کا ضروری جزو نہیں ہے۔ زیادہ تر اس کا شمول یا خروج مصنف یا تحقیق کار کی صوابدید پر ہوتا ہے۔

ضمیمہ کو تعلیقہ بھی کہتے ہیں۔ تعلیقہ کی جمع تعلیقات ہے یعنی ضمیمہ، یہ کتاب یا مقالات کے آخر میں ایک یا ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ پروفیسر عبدالستار دلوی ضمیمہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''ضمیمہ کے تحت عام طور پر اس مواد کا ذکر کیا جاتا ہے، جو پیش کردہ مقالے سے متعلق اور اس کے لیے مفید تو ہوتا ہے، لیکن اگر مقالے کے متن میں اس کو شامل کر دیا جاتا تو مقالے کے انداز پیش کش کے لیے نامناسب ثابت ہوتا۔ فرض کیجئے کہ کوئی مقالہ کسی ہم عصر شاعر یا مصنف کے بارے میں پیش کیا جا رہا ہے۔ محقق نے اس مصنف یا شاعر سے انٹرویو کر کے اپنے سوالات کے جوابات حاصل کر لیے تو ان سوالات اور جوابات کو ضمیمے میں دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کا زائد اور موضوع سے متعلق مواد بھی ضمیمے میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ اختصارات، نقشہ جات اور ضروری تقابلی جدولیں بھی ضمیمے کے طور پر دی جا سکتی ہیں۔''[۸]

ضمیمہ کے سلسلہ میں ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی لکھتے ہیں:

> ''بعض اوقات کتاب کی طباعت کے دوران میں مفید مواد

حاصل ہوتا ہے اسے بھی ضمیمے کے طور پر شامل کیا جائے
... نقشے، ڈائیگرام وغیرہ بھی ضمیمے کے طور پر دیئے جاسکتے
ہیں۔"۸

ضمیمہ میں کسی شخصیت کی اسناد، سرکاری دستاویزات، تصاویر، غیر مدون کلام، موضوع سے غیر متعلقہ نگارشات پر تبصرہ وغیرہ وغیرہ بھی شامل کیا جاتا ہے۔

۷۔ اشاریہ:

اشاریہ کو انگریزی میں Index کہتے ہیں۔ مقالے یا کتاب میں جو اسماء، مقامات اور اہم کتب ہیں اشاریہ میں ان سب کا تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ قاری، محقق یا تبصرہ نگار کسی جگہ، نام، کتاب کو تلاش کرنا چاہے تو اشاریہ اس کی نشاندہی کردے۔ اگر کتاب زیادہ ضخیم ہو تو اشاریہ کو مختلف حصوں میں بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً (۱) اشخاص کے نام (۲) مقامات کے نام (۳) کتابوں کے نام۔

اشاریہ کے سلسلہ میں ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی لکھتے ہیں:

"موجودہ دور میں اشاریہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اور یہ ہے بھی حقیقتاً نہایت مفید اور کام کی چیز، اس سے عام قاری کو بھی فائدہ پہنچا ہے اور تحقیق کرنے والے کو بھی، خصوصاً نئے محقق کو۔ اس کے ذریعہ اس کی رہنمائی بھی ہوتی ہے اور وقت بھی بچتا ہے۔ اس لیے اشاریہ محنت اور دلچسپی سے تیار کرنا چاہیے اور جتنے اہم موضوع کتاب میں ہوں سب کا اشاریہ بنانا چاہیے۔"۹

۸۔ سفارشات/تجاویز:

اگر محقق موضوع کی مناسبت سے کچھ تجاویز دینا چاہے یا عملی تحقیق میں پیش آمدہ مسائل یا نئے محقق کے لیے موضوعات کی فہرست پیش کرنا چاہیے تو اس حصے میں اس کا ذکر کیا

جائے گا لیکن یہ بھی ایک اختیاری حصہ ہے۔

سندی تحقیق میں خاکہ عموماً ٹائپ، ہاتھ سے لکھا ہوا یا کمپوز کیا جاتا ہے۔ خاکہ سازی میں متعلقہ ادارہ یا نگران محقق کی رہنمائی کرتا ہے۔ عموماً خاکہ کی پیش کش کے لیے گیارہ، ساڑھے آٹھ یا اے فور سائز کا سفید کاغذ استعمال کیا جاتا ہے خاکہ کو چاروں طرف حاشیہ چھوڑ کر لکھا یا ٹائپ کیا جاتا ہے اور پھر اس کی جلد بندی کی جاتی ہے، اس مقصد کے لیے رنگ بائنڈنگ یا ٹیپ بائنڈنگ کا استعمال بھی کیا جاتا ہے۔

ذیل میں طالب علموں کی رہنمائی کے لیے چند خاکے ترتیب دیئے جاتے ہیں:

موضوع: **خان احمد حسین خان: فن اور شخصیت**

دیباچہ:
باب اول: خان احمد حسین خان (حالات زندگی، شخصیت، تصانیف)
باب دوم: خان احمد حسین خان بحیثیت شاعر
باب سوم: خان احمد حسین خان بحیثیت ناول نگار
باب چہارم: خان احمد حسین خان بحیثیت افسانہ نگار و ڈرامہ نگار
باب پنجم: خان احمد حسین خان بحیثیت سیرت نگار و سوانح نگار
باب ششم: خان احمد حسین خان بحیثیت مترجم
باب ہفتم: خان احمد حسین خان کی صحافتی خدمات
باب ہشتم: خان احمد حسین خان کا ادبی مقام و مرتبہ
ضمیمہ جات:
(الف) متفرقات
(ب) غیر مدون کلام
(ج) اہم دستاویزات

(د) شباب اردو کے چند شماروں کے سرورق اور فہارس کی تصاویر

کتابیات:

☆☆☆☆

موضوع: **اردو مضمون نگاری کا ارتقاء: ۱۹۰۰ء تا ۱۹۴۷ء**

دیباچہ:

باب اول: مضمون نگاری کے مغربی ماخذ

باب دوم: اردو میں مضمون نگاری کی ابتداء

باب سوم: سرسید اور ان کے معاصر مضمون نگار

باب چہارم: اردو مضمون نگاری ۱۹۰۰ء تا ۱۹۳۶ء

باب پنجم: اردو مضمون نگاری ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۷ء (جدید ادبی تحریکوں کے تناظر میں)

باب ششم: اردو مضمون نگاری کے اہم اسالیب

باب ہفتم: اردو مضمون نگاری کا مجموعی جائزہ

کتابیات:

☆☆☆☆

موضوع: **عدیم ہاشمی کی غزل: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ**

دیباچہ:

باب اول: (الف) سوانح اور شخصیت (مختصر جائزہ)

(ب) شعری تصانیف کا تعارف

باب دوم: (الف) اردو غزل میں تجربات کی روایت (ہیئت کے حوالے سے)

(ب) اردو غزل میں تجربات کی روایت (اسلوب کے حوالے سے)

باب سوم: عدیم ہاشمی کی روایتی غزل (فکری و فنی مطالعہ)

باب چہارم: عدیم ہاشمی کی تجرباتی غزل

(الف) عدیم ہاشمی کی مکالماتی غزل (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)

(ب) عدیم ہاشمی کی تضاداتی غزل (تجزیاتی جائزہ)

باب پنجم: عدیم ہاشمی کی طربی غزل (تحقیقی و تنقیدی جائزہ)

باب ششم: عدیم ہاشمی کا مقام و مرتبہ

کتابیات:

☆☆☆☆

موضوع: **اردو افسانے کے نمائندہ ناقدین**

دیباچہ:

باب اول: افسانہ بحیثیت صنف ادب

باب دوم: اردو افسانے کے نمائندہ ناقدین: عمومی مطالعہ (۱۹۲۷ء تا ۲۰۰۷ء)

باب سوم: اردو افسانے کے نمائندہ ناقدین: خصوصی مطالعہ

(الف) وقار عظیم

(ب) ممتاز شیریں

(ج) شہزاد منظر

(د) وغیرہ وغیرہ

باب چہارم: اردو افسانے کی تنقید: مجموعی جائزہ

کتابیات:

☆☆☆☆

حواشی

1- محمد عارف، پروفیسر، تحقیقی مقالہ نگاری (طریق کار)، لاہور: ادارہ تالیف و ترجمہ، پنجاب یونیورسٹی، مارچ ۱۹۹۹ء، ص:۲۶۴

2- ش اختر، ڈاکٹر، تحقیق کے طریقہ کار، گیا، تاج پریس باری روڈ، س ن، ص: ۳۳-۳۴

3- عندلیب شادانی، ڈاکٹر، مقالہ، تحقیق اور اس کا طریق کار، مشمولہ، اردو میں اصول تحقیق، جلد دوم، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈویژن پبلشرز، طبع چہارم ۲۰۰۱ء، ص:۴۵

4- ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، مقدمہ: اردو میں اصول تحقیق، جلد اول، اسلام آباد: ورڈویژن پبلشرز، طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، ص:۲۱-۲۲

5- گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۰۲ء، ص:۱۰۷-۱۰۸

6- عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر، مبادیات تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، س ن، ص:۶۵

7- عبدالستار دلوی، پروفیسر، مقالہ، مقالہ کی پیشکش، مشمولہ، اردو میں اصول تحقیق، جلد اول، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈویژن پبلشرز، جلد چہارم، ۲۰۰۱ء، ص:۲۴۱

8- عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر، مقالہ، مقالہ کی تسوید، مشمولہ، اردو میں اصول تحقیق، جلد اول، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈویژن پبلشرز، جلد چہارم، ۲۰۰۱ء، ص:۲۵۷

9- عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر، مبادیات تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، س ن، ص:۷۱

☆☆☆☆

مقالے کا اُسلوب

مقالے کی پیش کش میں اسلوب کی حیثیت مسلم ہے۔ مقالے کا اسلوب محقق کے ذہنی مزاج، مطالعے اور موضوع پر گرفت کے معیار سے تشکیل پاتا ہے۔ اسی کی وجہ سے مقالے میں انفرادیت پیدا ہوتی ہے اور اسلوب پر ہی مقالے کے واضح اور مدلل ہونے کا دارومدار ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک تحقیق کار کو مؤثر اسلوب بیان اختیار کرنے کے لیے درج ذیل اُمور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

تحقیقی مقالے میں واضح فکر، مواد کی منطقی ترتیب، صحیح ترجمانی اور مؤثر طرز تحریر کی موجودگی مقالے کی اہمیت بڑھا دیتی ہے۔ جبکہ جذباتی طرز استدلال اور ناصحانہ انداز بیان سے اس کی افادیت کم ہوسکتا ہے۔

مقالے کا ضخیم ہونا اس کی خوبی نہیں بلکہ خامی شمار ہوتی ہے۔ اس لئے بلاوجہ اور طویل اقتباسات وغیرہ مفید پس منظری تفصیلات سے اجتناب کرنا چاہیے۔ مقالے میں ایجاز واختصار سے کام لینا چاہیے لیکن ایجاز کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ بیان کی وضاحت کو ہی نظر انداز کر دیا جائے۔ اختصار کا مطلب بھی کم لکھنا نہیں بلکہ بہتر لکھنا ہے۔ تحقیقی مقالے میں اختصار پیدا کرنے کے لئے ڈاکٹر گیان چند، درج ذیل تجویز پیش کرتے ہیں:

> ''سیاسی اور سماجی پس منظر سے بچیے۔ یہ بار بار دیا جا چکا ہے اور اُردو کے تمام تر قاری اس سے واقف ہو گئے ہیں۔ جہاں کہیں موضوع کے تقاضے کے تحت دینا ضروری ہو تو مختصر دیجیے واقعات کی طرف محض اشارہ کیجیے..... صرف انہیں واقعات کا ذکر کیجیے جو تخلیق پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔''[۱]

تحقیق کار کو چاہیے کہ وہ مقالے کی زبان یا اسلوب کو جہاں تک ممکن ہو سکے عام بول چال کی زبان کے نزدیک نزدیک رکھے۔ انگریزی عربی، فارسی کے ایسے الفاظ کو استعمال نہ کرے جن کے لئے اُردو میں الفاظ موجود ہیں۔ کثرت کے ساتھ فارسی تراکیب کا استعمال بھی مقالے کے اسلوب کی دلکشی کو گرہن لگا دیتا ہے۔ کسی صنف کے نمونے دیتے ہوئے ایسے نمونوں کا انتخاب کیا جائے جس سے اس صنف کے ممتاز اوصاف واضح ہو جائیں۔ کسی شخصیت پر کام کرتے ہوئے اس کی مفصل سوانح دینا، مقالے کی ضرورت تو ضرور ہوتی ہے لیکن ایسی صورت میں تفصیلات سے گریز کرنا ہی بہتر ہے۔

مقالے میں اقتباسات تحقیق کار اپنی رائے کو مستند اور مفید بنانے کے لئے شامل کرتا ہے۔ لیکن ان سے مقالے کے طویل ہونے کے خدشات بڑھ جاتے ہیں لہٰذا مقالے کے اختصار کے لئے بہتر ہے کہ براہِ راست اقتباسات نہ دیے جائیں۔ صرف اس وقت ہی اقتباسات دیں جب یہ یقین ہو کہ مصنف کے الفاظ سے زیادہ بہتر الفاظ استعمال نہیں ہو سکے۔ اختلاف یا پُرزور حمایت کے لئے کسی حد تک براہِ راست اقتباسات دے جا سکتے ہیں مگر انہیں اتنا زیادہ بھی طویل نہ ہونے دیں کہ مقالے کی قدر و منزلت ہی ماند پڑ جائے۔ متعلقہ موضوع پر سب کی تحریروں کا خلاصہ نہ دیا جائے صرف اہم مصنفوں کی رائے دی جائے یا اہم نکات پر بحث کی جائے۔

تحقیق کار تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے مقالے کی تحریر کو بہت زیادہ وسعت نہ دے البتہ متعلقہ موضوع کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ طوالت سے بچنے کے لئے تکرار سے اجتناب کرنا چاہیے۔ کسی خیال یا بیان کی تکرار سے بہتر ہے کہ کوئی نئی بات کہی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ محقق یا تحقیق کار کو یہ بھی چاہیے کہ وہ نہ صرف پیراگرافوں بلکہ جملوں یہاں تک کہ لفظوں پر بھی توجہ صرف کرے اور مختلف مترادف الفاظ کے درمیان موجود خفیف فرق کو ملحوظ خاطر رکھے اور اپنی تحریر کی جامعیت اور وضاحت کا دھیان رکھے۔ بیان کو یا اپنی بات کو براہِ راست موضوع سے شروع کرے اور مقدار سے زیادہ معیار کو پیش

نظر رکھے۔ ایک معیاری مقالے کو ہر اعتبار سے جامع ہونا چاہیے۔

مقالے کا عنوان افسانوی طرز کا نہیں ہونا چاہیے بلکہ واضح اور غیر جذباتی عنوان تحقیقی مقالے کے لئے سود مند ہوتا ہے۔ مقالے کے عنوان سے تحقیق کا موضوع واضح ہوتا ہے۔ عنوان طویل اور مبہم بھی نہیں ہونا چاہیے۔ تاہم یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ مقالے کو شگفتہ بنانے کی دھن میں اس کا اسلوب افسانوی رنگ اختیار نہ کرے۔ اس ضمن میں رشید حسن خان لکھتے ہیں:

> ''تحقیق کی زبان کو امکان کی حد تک آرائش اور مبالغے سے پاک ہونا چاہیے اور صفاتی الفاظ کے استعمال میں بہت زیادہ احتیاط کرنا چاہیے۔ اردو میں تنقید جس طرح انشا پرداری کا آرائش کدہ بن کر رہ گئی ہے۔ وہ عبرت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے اور تحقیق کو حادثے کا نشانہ نہیں بننے دینا چاہیے۔''[۲]

تحقیقی مقالے میں سنجیدگی اس کے اسلوب کا ایک خاص حصہ ہے لیکن اس میں خشکی اور بے رنگی نہیں ہونی چاہیے۔ مقالے میں بات چیت کا انداز غیر مناسب ہوتا ہے لیکن اسلوب میں سلامت روانی بہت ضروری امر ہے۔ تشبیہ و استعارہ کا استعمال تحقیقی مقالے میں بہت کم ہوتا ہے لیکن مناسب حد تک ان کے استعمال میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ محقق کو مقالے کے اسلوب کو جاذب نظر بنانے کے لئے مقالے کی تحریر میں خطابت سے انتہائی حد تک اجتناب کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں قاضی عبدالودود تحریر کرتے ہیں:

> ''محقق کو خطابت سے احتراز واجب ہے اور استعارہ و تشبیہ کا استعمال صرف توضیح کے لئے کرنا چاہیے، آرائش کی غرض سے نہیں، اسماء کے ساتھ صفات اسی وقت لانے چاہیں جب کوئی صف لکھنے والے کی اصل رائے کو ظاہر کرتی ہے۔ تناقض و تضاد اور ضعفِ استدلال سے بچنا چاہیے۔''[۳]

اس ضمن میں ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی لکھتے ہیں:

"تحقیقی مقالہ چونکہ واقعات وحقائق پر مبنی ہوتا ہے اس لئے
اس میں لفاظی یا افسانہ طرازی، خطابت یا شاعرانہ رنگین
بیانی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ یہ باتیں مقالہ کی عظمت کو کم
کرتی ہیں۔"[۴]

تحقیق کار کو مقالہ آسان الفاظ میں تحریر کرنا چاہیے۔ تحقیقی مقالے کا مقصد علمیت کا اظہار نہیں ہے۔ بلکہ تحقیقی عمل ہے۔ لہٰذا عربی، فارسی، انگریزی یا اردو کے نامانوس الفاظ استعمال کرنے سے اجتناب برتنا چاہیے۔ تحقیقی مقالے کا مقصد ابلاغ ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر گیان چند اپنی کتاب میں Nick Moore کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

"کامیاب محقق میں دو خوبیاں پیدا کرنی چاہیں۔ (۱) زیادہ
سے زیادہ دلچسپی اور خواندنیت (Readability) اور (۲)
زیادہ سے زیادہ صحت اور استدلال۔"[۵]

تحقیق کار کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ قاری کے لئے تم کا لفظ استعمال کرے بلکہ "آپ" کی ضمیر استعمال ہونی چاہیے۔ اپنے لئے بھی ضمائر متکلم مثلاً: میں ہم۔ ہمارا وغیرہ کا استعمال نہیں کرنا چاہیے ان کے استعمال سے مقابلے کی انفرادیت اور امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ صیغہ فاعل کا استعمال صیغہ مفعول کے مقابلے میں زیادہ ہونا چاہیے۔ مقالہ عام طور پر زمانہ ماضی یا ماضی قریب میں لکھا جاتا ہے۔ دوسروں کی غلطیوں کی تصحیح کے لئے طنزیہ یا حقارت آمیز لہجہ بھی درست نہیں۔ اسی طرح اپنی علمیت کے اظہار میں تفاخر یا غرور کا شائبہ نہیں آنے پائے۔ قاری کو توہین یا اُسے نصیحت نہیں کرنی چاہیے بلکہ اُسے خود سوچنے اور نتیجہ اخذ کرنے کا موقع فراہم کرنا چاہیے۔

مقالے کے اسلوب کے حوالے سے ایک عمومی رائے یہ ہے کہ محقق یا تحقیق کار کو مقالے میں اپنی رائے کے اظہار سے کسی حد تک پرہیز کرنا چاہیے، لیکن کامل تحقیق اسی صورت میں انجام پاتی ہے جب محقق حقائق کی تنقیدی تشریح وتوضیح بھی کرتا ہے۔ لہٰذا محقق کی رائے بین السطور ہو یا واضح انداز میں ہو، ہمیشہ شک وشبہ سے بالاتر ہونی چاہیے۔ جو بات کہی

جائے اس میں سچائی اور گہرائی ہو۔ خیالات واضح ہوں اور ربط وتسلسل پر زور دیا جائے۔

مقالہ تحریر کرتے وقت مخففات سے حتی الوسع گریز کیا جائے اور جہاں ناگزیر ہوں وہاں بھی قاری کی سہولت کے پیش نظر استعمال کیا جائے، تاکہ مصنف کی سہولت کے لئے ادیبوں وغیرہ کے ناموں کو مکمل صورت میں تحریر کیا جانا چاہیے۔ کتاب کا نام جوں کا توں تحریر ہو، کسی کتاب سے اقتباسات وحوالہ کا انتخاب ہو تو فقرے وپیراگراف کو اصل کے مطابق تحریر کرنا چاہیے۔ مرحومین کے ناموں کے ساتھ القاب وآداب نہ لائے جائیں۔ اگر تعظیم ظاہر کرنا ہی مقصود ہو تو فعل وضمیر جمع کے لائے جائیں پھر بھی بات نہ بن جائے تو بزرگ ناموں کے ساتھ القاب کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ ایسے القاب جو ناموں کا حصہ بن گئے ہوں ان کو برقرار رکھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بزرگان دین کے ناموں کے ساتھ حسب عقیدہ احترامی القاب استعمال کیے جاسکتے ہیں لیکن اس ضمن میں مبالغہ آرائی سے گریز کرنا چاہیے۔

زیادہ طویل، مرکب، غیر مستعمل اور فرسودہ الفاظ کے استعمال سے مقالے کا مفہوم واضح نہیں ہو پاتا۔ مقالات میں ایسے مقامات بھی آتے ہیں جہاں اصطلاحی الفاظ کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔ اصطلاح ایسے الفاظ اور مرکبات کو کہتے ہیں جس سے کسی علم یا فن میں کوئی مخصوص معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ جبکہ کسی موضوع کے عالموں یا پیشہ وروں کے مخصوص محاوروں، روزمرہ اور اصطلاحی زبان کو انگریزی میں جارگن کہتے ہیں۔ اصطلاحوں کے استعمال کی صورت میں مقالے کے شروع یا آخر میں یا بطور ضمیمہ ان کی فہرست مع مفہوم لکھ دینی چاہئے۔ جبکہ علمی جارگن سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ علمی مذاق کے بدلنے سے جارگن میں تبدیلی آسکتی ہے۔ یوں بھی مخففات، اصطلاحات اور جارگن کے بے جا استعمال سے مقالہ کی خواندگی میں کمی آسکتی ہے۔

مقالے کا اسلوب شگفتہ ہونا چاہئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلوب شگفتہ ہونے سے مقالے میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ مقالے کے اسلوب میں روانی ہونی چاہئے۔ مقالے کے پیراگراف ایک گروپ کی طرح ہونے چاہئیں۔ جس کے جملے ایک مرکزی خیال کی تائید کریں۔ پیراگراف الجھانے والے نہ ہوں اور مقالے کے خیالات کو منطقی

انداز میں پروان چڑھانا چاہیے۔

تحقیق کار کو چاہیے کہ وہ مقالہ تحریر کرتے ہوئے بہت پیچیدہ اور بہت سادہ، یکسانیت یا تکرار کے حامل جملوں پر خصوصی توجہ دے۔ الفاظ کے انتخاب میں تنوع اور صحت کا خیال رکھے۔ تکنیکی اصطلاحات کو چھوڑ کر بار بار استعمال ہونے والے لفظوں کے موزوں مترادف تلاش کرے۔ مبہم اصطلاحات اور عامیانہ زبان اور بول چال کے الفاظ کو استعمال کرنے سے بھی اجتناب کرے۔

اسلوب الفاظ کے مناسب استعمال سے بنتا ہے۔ لہٰذا تحقیق کار کو یہ مشورہ بھی دینا بھی نہایت مناسب ہے کہ جدید انداز میں وضع کیے ہوئے الفاظ تخلیقی ادب کے لیے تو مفید ثابت ہوتے ہیں لیکن تحقیقی مقالے میں ان کا استعمال ہمارے اسلوب بیانی انداز میں نقص پیدا کر سکتا ہے۔

☆☆☆☆

حواشی

۱۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۰۲ء، ص: ۲۲۸

۲۔ رشید حسن خان، ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ، لاہور: الفیصل، ص: ۱۴

۳۔ قاضی عبدالودود، مقالہ، اُصولِ تحقیق، مشمولہ، اُردو میں اصول تحقیق، جلد دوم، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، ص: ۲۴

۴۔ عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر، مبادیات تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، س ن، ص: ۵۴

۵۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۰۲ء، ص: ۲۴۲۔۲۴۷

☆☆☆☆

اقتباسات وحوالہ جات

اقتباسات وحوالہ جات موجودہ دور میں جدید تحقیق کا ایک معتبر اور لازمی جزو تصور کیے جاتے ہیں۔ مقالات میں اقتباسات وحوالہ جات دینے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب تحقیق کار اپنے مقالے میں اپنی کسی رائے کو دیگر محققین کی آراء کی روشنی میں مصدقہ بنانا چاہتا ہے۔ ان اقتباسات کی وجہ سے حقائق کو پیش کرنے میں وزن پیدا ہوتا ہے۔ تحقیق کار کی اپنی رائے مستند اور مفید ہو جاتی ہے۔ اقتباسات تحقیق کار کے موقف کی تائید میں ہوتے ہیں، لہٰذا یہ کہنا نہایت مناسب ہے کہ تحقیق کے میدان میں اقتباسات کی اہمیت مسلم ہے۔ تحقیق کار دوسروں کو اپنا ہم خیال بنانے، اپنی بات کو سچ ثابت کرنے، حقیقت تلاش کرنے اور کھرے کھوٹے کی پہچان کرانے کے لیے اقتباسات وحوالہ جات کا استعمال کرتا ہے۔

تحقیق کار یہ اقتباسات وحوالہ جات اپنے کسی نظریے یا موقف کی تائید میں دوسرے معتبر اور مسند مآخذوں سے لیتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تحقیق کار مقالے کے حسن کو متاثر کیے بغیر ان اقتباسات کو کس طرح اپنے مقالے میں درج کرے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر نورالاسلام صدیقی تحریر کرتے ہیں:

> ''حوالوں کے ذریعے ہی ہم کسی دوسرے مصنف کے خیال کو اپنے خیال سے ہم آہنگ بھی کرتے ہیں۔ خصوصاً جب ہم کسی کتاب کو ترتیب دے رہے ہوں اور کسی اہم شخص کا ذکر آجائے تو شخص مذکور کے سلسلے میں ہمیں معاصر تذکرہ نگاروں اور مصنفین کے بیانات کے حوالے کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ اس کی اہمیت کو بطور دلیل پیش کر سکیں اور اس طرح (انہی

حوالوں سے) ہم اس کی سیرت و سوانح کے خاکے مرتب
کرتے ہیں۔"[۱]

اقتباسات و حوالہ جات کی اہمیت و افادیت کے بارے میں ڈاکٹر سید معین الرحمان مرحوم کی یہ رائے ملاحظہ کرنے کے قابل ہے جس سے اقتباسات و حوالہ جات کی اہمیت پوری طرح اُجاگر ہو جاتی ہے:

"ترتیب نو یا تشکیل جدید کے عمل میں اقتباس کو میں بڑی اہمیت
دیتا ہوں، کوٹ کرنا، میرے نزدیک ایک فن ہے۔ اس کی اپنی
شریعت ہے۔ اس کے لیے پہلے وسیع مطالعے اور نظر، پھر ذہن
کی بہ سرعت منتقلی، تیسرے انتخاب کی غیر معمولی صلاحیت اور
بحیثیت مجموعی بڑے پیمانے اور سطح کی خوش ذوقی کی ضرورت
ہوتی ہے۔ یہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔"[۲]

اقتباسات کی عبارت عام طور پر واوین میں دی جاتی ہے تا کہ وہ تحقیق کار کی عبارت سے الگ دکھائی دے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر گیان چند کی رائے ملاحظہ کیجیے:

"نثری اقتباس میں ایک جملے کو حسب خواہش خواہ نیچے سطر
میں..... اس سے بڑے اقتباس کو نیچے دینا ہی مناسب
ہے۔ اقتباس دینے سے پہلے متن کے تعارفی الفاظ کے بعد
کولن (:) لگا دیجیے۔ اس کے بعد بین السطور قدرے زیادہ
فاصلہ دے کر اقتباس کی عبارت کو دائیں حاشیے سے تقریباً
پون انچ ہٹا کر لکھیے لیکن پہلی سطر حاشیے سے تقریباً ایک انچ
چھوڑ کر شروع کی جائے گی۔ اقتباس ختم ہونے کے بعد پھر
بین السطور میں معمول سے زیادہ جگہ چھوڑیے۔"[۳]

تحقیقی عمل میں اقتباسات و حوالہ جات کی اہمیت یوں بھی زیادہ ہے کہ انہی کی بنیاد پر کسی عبارت، بیان اور پیش کردہ حقائق کے غلط یا صحیح ہونے کا تعین کیا جاتا ہے۔ تحقیق

میں حوالہ جات ناگزیر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے بغیر تحقیق کار کے حاصل کردہ حقائق میں زور یا وزن اور نتائج میں تاثر و قوت پیدا نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہر تحقیق کار کے ذہن میں اقتباسات و حوالہ جات کی اہمیت کا اندازہ ضرور ہونا چاہیے۔ حوالہ جات کی عموماً دو معروف قسمیں ہیں:

(۱) براہ راست حوالہ (Direct Quotation)

(۲) بالواسطہ حوالہ (Indirect Quotation)

براہ راست حوالہ یا اقتباس نقل کرنے میں تحقیق کار کی ذمہ داری ہے کہ وہ نقل کردہ عبارت کو جوں کا توں بغیر کسی تبدیلی کے اپنے مقالے میں پیش کرے اس دوران وہ کسی لفظ، حرف، نقطہ اور زیر زبر کا فرق بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ جب کسی اقتباس کو مقالے کی زینت بنایا جاتا ہے تو اسے واوین" ... " میں بند کیا جاتا ہے اور اس اقتباس و حوالہ جات کے متعلق ضروری تفصیلات کو حاشیہ یا فٹ نوٹ میں درج کیا جاتا ہے۔ ان تفصیلات کی مدد سے قاری تحقیق کار یا محقق کے مقالے میں دیئے گئے اقتباسات یا حوالہ جات کے مآخذات سے متعلق ضروری معلومات حاصل کرتا ہے۔ ان تفصیلات میں عام طور پر مصنف کا نام، کتاب کا نام، مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ہونے کا ذکر، مقام اشاعت، سنہ تصنیف کتاب، ایڈیشن، جلد اور متعلقہ صفحہ یا صفحات نمبر شامل ہوتے ہیں۔ ان تفصیلات کو عرصہ دراز سے حواشی یا فٹ نوٹ کی صورت میں ہر صفحہ کے نچلے حصے میں لائن لگا کر اسی صفحے کے نمبروں کی ترتیب سے نوٹ کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن جدید تقاضوں کی روشنی میں موجودہ دور میں ان تمام تر تفصیلات کو ہر باب کے آخر میں حواشی کا عنوان دے کر درج کیا جاتا ہے۔ سارے باب کے اقتباسات کے نمبر شمار تسلسل کے ساتھ دیئے جاتے ہیں اور پھر انہی نمبر شماروں کو حواشی میں تسلسل کے ساتھ لکھ کر ترتیب سے حواشی درج کیے جاتے ہیں۔

اقتباسات و حوالہ جات لینے کا دوسرا طریقہ بالواسطہ حوالہ ہے۔ یہ طریقہ براہ راست حوالہ سے مختلف ہے۔ بالواسطہ حوالہ لینے کا مطلب کسی مخصوص عبارت کا مفہوم اپنی تحریر میں لکھنا ہوتا ہے۔ یہاں کسی عبارت کو جوں کا توں تحریر نہیں کیا جاتا بلکہ صرف عبارت کا

مفہوم بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیلات حاشیہ میں دینے کا طریقہ وہی اختیار کیا جاتا ہے۔ جس طرح براہ راست حوالہ کی تفصیلات حاشیہ یا فٹ نوٹ میں درج کی جاتی ہیں۔

براہ راست اقتباس لینے میں تحقیق کار کو دو مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ اہم مسائل ایک تحقیق کار یا محقق کو دوران تحقیق بار بار پیش آتے ہیں۔ پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ تحقیق کار کے سامنے ایسی عبارت آجاتی ہے جس میں کوئی لفظ یا الفاظ کسی وجہ سے ناقابل مطالعہ ہوتے ہیں اسے مشکل پیش آتی ہے کہ مقالے میں اپنے نظریے یا موقف کی تائید میں پیش کردہ عبارت کے ان ناقابل مطالعہ حصے کی تفصیلات کس طرح دے۔ ان تفصیلات کی نشاندہی کرنے کا طریقہ یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ اقتباس یا حوالہ کی عبارت لکھتے ہوئے ناقابل مطالعہ حصے کی جگہ سوالیہ نشان [؟] دے دیا جاتا ہے یا پھر "کذا" لکھ کر حواشی یا فٹ نوٹ میں ان کا ناقابل مطالعہ حصے کی تفصیلات درج کر دی جاتی ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بعض اوقات تحقیق کار اقتباس کو نقل کرتا ہے تو اس میں سے غیر ضروری الفاظ کو حذف کر دیتا ہے۔ ایسی صورت میں نقل شدہ اقتباس کے جس مقام سے کوئی لفظ، الفاظ یا سطور کو حذف کرتا ہے، وہاں تین نقطے [...] لگا دیتا ہے اگر اس مقام سے حذف شدہ مواد کی تفصیلات یا وضاحت حواشی یا فٹ نوٹ میں کر دی جائے تو بہت بہتر رہتا ہے۔

اسی ضمن میں ایک بات اور وضاحت طلب ہے کہ بعض اوقات پیش کردہ اقتباس کے شروع یا آخر سے بھی غیر ضروری حصوں کو حذف کرنا پڑتا ہے۔ اس طریقے میں قاری کی اطلاع کے لیے عبارت لکھنے سے پہلے یعنی شروع میں تین نقطے [...] اور اقتباس یا عبارت لکھ چکنے کے بعد یعنی آخر میں چار نقطے [....] لگا دیئے جاتے ہیں۔

ذیل میں تحقیق کار کی رہنمائی کے لیے چند ضروری اصولوں کو تفصیل کے ساتھ رقم کیا جاتا ہے۔ جو اقتباسات و حوالہ جات لیتے ہوئے تحقیق کار یا محقق کو اپنانے چاہیں:

۱۔ تحقیق کار کو کسی کتاب سے اقتباس و حوالہ جات کو نقل کرنے میں بڑی حد تک احتیاط کرنا لازمی ہے۔ اصل کتاب سے تحقیق کار جو بھی عبارت نقل کرے اسے لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف اور نقطہ بہ نقطہ نقل کرتے ہوئے زیر زبر کا بھی خیال رکھے۔

۲۔ اقتباسات و حوالہ جات مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دونوں طرح کے مآخذات سے لیے جاسکتے ہیں۔ بلکہ رسائل، جرائد، مخطوطے وغیرہ سے بھی لیے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ انٹرویو کا حوالہ بھی نہایت کارآمد ہوتا ہے۔

۳۔ اقتباسات و حوالہ جات کے مآخذات اگر مخطوطات ہیں تو حواشی یا فٹ نوٹ میں اس لائبریری یا ادارے کا نام دینا ہوگا جہاں مخطوطہ محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ مخطوطہ نمبر، سنہ تصنیف، سنہ کتابت اور مصنف کا نام درج کیا جاتا ہے۔

۴۔ مآخذات اگر مجلات اور رسائل و جرائد ہیں تو حواشی یا فٹ نوٹ میں مجلہ، رسالہ یا جریدہ کا نام، جلد نمبر، شمارہ نمبر، مضمون کا نام، مضمون نگار کا نام اور صفحہ نمبر درج کرنا ہوگا۔

۵۔ تحقیق کار کو اقتباسات کا حوالہ دیتے ہوئے ایک ہی کتاب کے تمام ایڈیشن کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کیونکہ بعض اوقات مصنف خود ہی پہلے ایڈیشن میں تحریر کردہ بیانات کو دوسرے ایڈیشن میں تبدیل کر دیتا ہے۔

۶۔ تحقیق کار کو چاہیے کہ اقتباسات و حوالہ جات کی مقالے میں غیر ضروری بھرمار نہ کرے بلکہ اپنی آراء اور نقطہ نظر کو زیادہ اہمیت دے۔ یوں اس کا مقالہ اقتباسات کا مجموعہ بننے کی بجائے اس کی اپنی قدر و منزلت میں اضافے کا باعث بنے گا۔

۷۔ اقتباسات و حوالہ جات کو نقل کرتے وقت صرف پیراگراف کا مطلوبہ حصہ ہی نقل کرنا چاہیے۔

۸۔ اگر اقتباسات و حوالہ جات تین سطور سے کم ہیں تو اسے عبارت کے درمیان ہی تحریر کر دیا جائے، پھر نمبر شمار لگا کر اس کی تفصیلات حواشی میں دے دی جائیں۔ البتہ اگر عبارت کی سطور کی لمبائی مقالے کی دوسری سطور سے لمبائی میں کم ہوں گی۔ مراد یہ ہے کہ اس عبارت کو تحریر کرتے ہوئے دونوں طرف پہلے حاشیہ سے مزید حاشیہ چھوڑنا ہوگا۔

۹۔ اقتباس یا حوالہ مقالے کی کم لمبی سطروں میں تحریر کرنے کے علاوہ اسے خفی قلم سے بھی تحریر کیا جاتا ہے۔ اس کا حل کمپیوٹر نے نکال دیا ہے۔ اس کے ذریعے کمپوزنگ کے فاؤنٹ میں کمی کرلی جاتی ہے۔ مثلاً اگر مقالے کی عام تحریر کا فاؤنٹ ۱۶ ہے تو اقتباس کی تحریر کا فاؤنٹ ۱۴ کرلیا جاتا ہے۔

۱۰۔ شعر یا شعری اقتباس درج کرنے کے ضمن میں تحقیق کار شعر یا شعری ٹکڑے کا حوالہ بھی درج کرتا ہے۔ اشعار بھی نثری اقتباس کی طرح صفحے کے درمیان میں ہی تحریر ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں اشعار کے الفاظ کا فاؤنٹ تبدیل نہیں کیا جاتا۔ اشعار کو ان کی صنف سے وابستہ ہیئت میں ہی لکھا جاتا ہے۔ اشعار کا متن بھی مقالے میں واوین کے بغیر شامل ہوگا۔ اشعار یا شعر کے درج کرنے کے بعد ان کا حوالہ نمبر دے کر اس کی تفصیلات حواشی یا فٹ نوٹ میں دی جاتی ہیں۔ شعری اقتباس بھی اپنے مآخذ کی رو سے من وعن درج کیا جاتا ہے۔ تحقیق کار کے لیے اس میں کسی قسم کی ترمیم یا اصلاح کرنا غیر مناسب ہوگا۔ اگر ایسا کرنا بہت ضروری ہے تو اختلاف متن، اصلاح، املا، توضیحی نوٹ اور دوسری نوعیت کے متعلقہ معاملات حواشی یا فٹ نوٹ میں اٹھائے جاسکتے ہیں۔

۱۱۔ اقتباسات وحوالہ جات کو نقل کرتے ہوئے تحقیق کار کو کسی نقطہ، لفظ، اسم، ترکیب ومحاورہ، اصطلاح یا واقعہ کی تفصیلات حواشی یا فٹ نوٹ میں ضرور کرنا چاہیے۔

۱۲۔ اقتباسات وحوالہ جات کی تفصیلات حواشی یا فٹ نوٹ میں درج کرتے ہوئے ان کے صفحات کی نشاندہی صفحات کے نمبروں سے کی جاتی ہے۔ صفحات کی علامت کو یعنی صاد [ص] کے بعد کولن [:] لگا کر صفحہ نمبر تحریر کیا جاتا ہے۔ انگریزی کا حوالہ دینے کی صورت میں Page کی علامت [P] کے بعد کولن یا وقف خفیف کی علامت لگا کر اس کے بعد صفحہ نمبر درج کیا جاتا ہے۔

۱۳۔ تحقیق کار اقتباسات وحوالہ جات کی تفصیلات حواشی یا فٹ نوٹ میں درج

کرتے ہوئے خیال رکھے کہ اگر ایک ہی صفحے سے چند اقتباس یا حوالے لیے ہیں تو پہلے اقتباس کا حواشی لکھ کر دیگر اقتباسات کے حواشی یا فٹ نوٹ میں صرف ''ایضاً'' لکھ دے۔ ایضاً کو انگریزی حوالے میں انگریزی لفظ "Ibid" سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے اقتباس کا مآخذ ہی دیگر اقتباسات کا مآخذ ہے۔

۱۴۔ حوالہ نثری ہو یا شعری اردو میں دونوں کے آخر میں بیت [۔] کی نشانی لگا کر اس پر نمبر شمار درج کیا جاتا ہے اور پھر وہی نمبر حواشی کے عنوان کے تحت مقالے کے ہر باب کے آخر میں نمبر شماروں کی ترتیب کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ یا فٹ نوٹ کی صورت میں ہر صفحے کے آخر میں یعنی نچلے حصے میں درج کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہر صفحے کے نمبر شماروں کی ترتیب الگ الگ ہوتی ہے۔

۱۵۔ تحقیق کار کو مصنف کا انگریزی نام تحریر کرتے ہوئے نام کے آخری لفظ پہلے اور کامے کے بعد باقی الفاظ تحریر کرنے چاہیں۔

۱۶۔ بعض نام مرکب ہوتے ہیں مثلاً اختر حسین، عبداللہ، آمنہ خاتون اور بعض ناموں کے ساتھ خاندانی یا نسبتی یا علاقائی حوالہ بھی آتا ہے۔ مثلاً: شیخ، چوہدری، آغا، نعمانی، لکھنوی، دہلوی وغیرہ اسی طرح بعض ناموں کے ساتھ تخلص بھی شامل ہوتا ہے مثلاً اثر، غالب، آزاد، جالبی، درد، جانم وغیرہ لہٰذا اردو ناموں کا اندراج کرتے ہوئے حوالہ جات میں تحقیق کار کو انگریزی نام کی طرح آخری لفظ کو پہلے لکھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۱۷۔ تحقیق کار کو چاہیے کہ وہ مرکب نام کو جوں کا توں درج کرے۔ مثلاً: صفدر حسین، رضیہ سلطانہ، لطیف ساحل، شبیہ الحسن وغیرہ۔

۱۸۔ اگر ناموں میں القاب وغیرہ شامل ہوں تو القاب کو آخر میں لکھا جائے۔ مثلاً: ڈاکٹر سید عبداللہ کو عبداللہ، ڈاکٹر سید تحریر کیا جائے گا۔

۱۹۔ شاعروں کے ناموں میں تخلص کو پہلے لکھا جائے گا۔ مثلاً: اسد اللہ خان غالب کو غالب، اسد اللہ خان اور خواجہ میر درد کو درد، خواجہ میر درد تحریر کیا جائے گا۔

۲۰۔ ادیبوں کے معروف نام یا تخلص کو پہلے درج کیا جاتا ہے۔ مثلاً: محمد حسین آزاد کو آزاد، محمد حسین اور ابوالاعلیٰ مودودی کو مودودی، ابوالاعلیٰ تحریر کرتے ہیں۔ البتہ سرسید اور شبلی نعمانی کو من وعن سرسید اور شبلی نعمانی ہی تحریر کریں گے۔

۲۱۔ اردو ناموں کے ساتھ کئی تعظیمی سابقے ولاحقے لگائے جاتے ہیں۔ مثلاً: بیگم، دختر، مس، مسٹر، پروفیسر، ڈاکٹر وغیرہ، مصنف یا مصنفہ کے نام کے ساتھ ان کو لکھنے کی ضرورت تو نہیں ہوتی پھر بھی اگر ضرور لکھنا ہے تو بیگم رضیہ سلطانہ کو رضیہ سلطانہ، بیگم اور ڈاکٹر شفیق عجمی کو شفیق عجمی، ڈاکٹر تحریر کیا جاتا ہے۔ متن میں کسی شخصیت کے نام کے ساتھ تعظیمی سابقے یا القاب لگانا، تحقیق کار کی اپنی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔

۲۲۔ اردو میں بعض القاب ناموں کا لازمی جزو بن جاتے ہیں انہیں اگر حذف کر دیا جائے تو شخصیت کی پہچان مشکل ہو جاتی ہے لہٰذا وہاں حوالہ دیتے ہوئے القاب کو ضرور شامل تحریر کیا جاتا ہے۔ مثلاً: علامہ اقبال، ملا واحدی، قاضی عبدالودود، مولانا مودودی، منشی پریم چند، مولانا آزاد وغیرہ۔

متن میں اشخاص کے نام تحریر کرنے کے ضمن میں ڈاکٹر گیان چند یوں رقمطراز ہیں:

> "اشخاص کے ناموں کو (عرف، لقب، کنیت، تخلص) خط کشیدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ متن میں خط کشیدگی بدنما معلوم ہوتی ہے... اشخاص کے ناموں کو سب سے معروف طریقے سے لکھیے خواہ وہ نام ہو (مالک رام) یا عائلی نام (سر نیم چکبست) یا کنیت (ابوالکلام آزاد) یا لقب (مجدد الف ثانی) یا خطاب (محسن الملک) تخلص یا نسبت (طبع آبادی،

> رومی) نام کو اجنبی طریقے سے نہ لکھیے مثلاً مالک رام کو مالک رام بو بھا، چکبست کو برج نراین، جمال الدین افغانی کو محض جمال الدین، جگر کو شمشی علی سکندر لکھا جائے تو ذہن فوراً گرفت نہ کر سکے گا۔"[۴]

اقتباس کے براہ راست استعمال کے ضمن میں ڈاکٹر شمس اختر کتنے خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں:

> "اقتباسات کا براہ راست استعمال وہیں زیب دیتا ہے۔ جہاں اسکالر یہ یقین کر لے کہ کسی مخصوص عبارت سے زیادہ اچھی طرح وہ خود اس میں بیان کی گئی باتوں کو نہیں لکھ سکتا۔ اس میں اختصار کا حسن بھی ہے اور وہ قابل قبول بھی ہے۔"[۵]

اقتباسات و حوالہ جات کے مناسب استعمال کے متعلق تحقیق کار کو تفصیلی مشورے دینے کے بعد اب ذیل میں چند اطلاقی مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) مکمل اقتباس کا حوالہ:

> "اقتباسات کو نقل کرتے ہوئے تحقیقی مقالہ تیار کرنے والے محقق کو چاہیے کہ وہ واقعات کی زمانی ترتیب کو خصوصاً پیش نظر رکھے اور تمام اقتباسات زمانی ترتیب کے اعتبار سے "Chronologically" مرتب کرے۔ صرف اسی انداز کار کو اختیار کر کے وہ تاریخی تقدیم و تاخیر کے مسئلے کی پیچیدگی سے بچ سکتا ہے۔"

Original:

> "Medical thinkings, trapped in the theory of astral influences, stressed air as the communicator of disease, ignoring sanitation or visible carriers."

(۲) اگر اقتباس کے شروع سے عبارت حذف ہو تو:

"...بسا اوقات محقق جس نتیجے پر پہنچتا ہے وہ دراصل عین حقیقت نہیں ہوتی بلکہ محدود ذرائع و وسائل تحقیق کی بنا پر اسی نتیجے کو حقیقت کا نام دینا پڑتا ہے۔"

Quotation with an Ellirsis at the Beginign:

"......responses to plagues in the Middle Ages, Barbara W. Tuch man writer "Medi thinking stressed air as the communicator of disease, Ignoring sanitation or visible carriers."

(۳) اگر اقتباس کے درمیان سے عبارت کا حصہ حذف ہو تو:

"اگر حقیقت انشا ہے تو اس کی اصل شکل کو دیکھنا تحقیق نہیں... کہنا یہ چاہیے جب کسی امر کی اصل شکل پوشیدہ یا مبہم ہو تو اس کی اصلی شکل کو دریافت کرنے کا عمل تحقیق ہے۔"

Quotation with an Ellipsis in the Middle:

"In surveying various responses to plagues in the Middle Ages, Barbara W. Tuchman & writes, "Medical thinking... Stressed air as the communicator of disease, Ignoring sanitation or visible carriers."

(۴) اگر اقتباس کے آخر سے عبارت کا حصہ حذف ہو تو:

"اگر حقیقت انشا ہے تو اس کی اصل شکل کو دیکھنا تحقیق نہیں..."

Quotation with an Ellipsis at the end:

"Medical thinking, trapped in the theory of

astral influences, stressed air as the communicatior of disease..."

(۵) شعری اقتباس کا طریقہ حوالہ:

"جس سر کو غرور آج ہے، یاں تاج وری کا
کل، اس پہ یہیں شور ہے، پھر نوحہ گری کا
آفاق کی منزل سے گیا، کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں، یاں ہر سفری کا"۱۲

....

"جو فقر میں پورے ہیں، وہ ہر حال میں خوش ہیں
ہر کام میں، ہر دام میں، ہر جال میں خوش ہیں
گر مال دیا یار نے تو مال میں خوش ہیں
بے زر جو کیا تو اسی احوال میں خوش ہیں
افلاس میں، ادبار میں، اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں"۱۳

(۶) کتاب ایک مصنف:

سہیل احمد خان، ڈاکٹر، ژونگ کے نفسیاتی نظریات، لاہور: ادارہ تالیف و ترجمہ، جامعہ پنجاب، ۱۹۸۷ء، ص:۱۳

(اس کے فوری بعد اسی کتاب کا حوالہ جب کہ صفحہ بھی وہی ہو)

ایضاً (انگریزی میں (Ibid)

(فوری حوالہ صفحے کے اختلاف کے ساتھ)

ایضاً، ص:۸۸ (انگریزی میں Ibid. P:88)

(تیسری بار حوالہ کے لیے)

محولہ بالا (انگریزی میں Op.cit.)

(اسی کتاب کا حوالہ، کئی دوسرے حوالوں کے بعد)

سہیل احمد خان، ڈاکٹر، محولہ بالا، ص:۹۸

(کسی مصنف کی دوسری کتاب کے بعد (انگریزی میں Op. cit.) اسی مصنف کی پہلی کتاب کا حوالہ)

سہیل احمد خان، ڈاکٹر، ژونگ کے نفسیاتی نظریات، ص:۹۹

Book with Single author:

[Aijazuddin. F.S.Lahore recollected: an album. Lahore: Sang-e-Meel Publishers. 2004.]

In Text:

Aijazuddin 121

(۷) دوسرا، تیسرا ایڈیشن وغیرہ:

مجنوں گورکھپوری، سمن پوش اور دوسرے افسانے، تیسرا ایڈیشن، کراچی: انسان دوست ادارہ، ۱۹۷۱ء، ص:۴۵

Second or Subsequent Editon:

[Aijazuddin. F.S.Lahore recollected: an album. 2nd ed. Lahore: Sang-e-Meel Publishers. 2004.]

In Text:

Aijazuddin 121

(۸) کتاب دو مصنفین:

جیلانی کامران، فاروق حسن، چھوٹی بڑی نظمیں، لاہور: کتابیات، ۱۹۶۷ء، ص:۶۷

Book with Two Authors:

[Singleton. Royce A.. and Bruce C. Straits. Approaches to social research. Oxford: Oxford University Press. 2005.]

In Text:

Singleton 19

(۹) کتاب دو مرتبین:

نیاز محمود، اقبال حسین، (مرتبین)، تنقید غالب کے سو سال، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء، ص:۳۲۱

Book with Two Editor (Complus):

[Singleton. Royce A.. and Bruce C. Straits. (ed). Approaches to social research. Oxford: Oxford University Press. 2005.]

In Text:

Singleton and Straits 96

(۱۰) کتاب تین مصنفین:

حامد حسن، محمد زبیر، جلال احمد، گم شدہ کڑیاں، لاہور: علم وادب، ۱۹۸۱ء، ص:۸۴

Book with Three Authers:

[Bodie. Zvi. Alex Kane. and Alan J. Marcus. Investments. Boston: McGraw Hill. 2005.]

In Text:

Bodie 18

(۱۱) کتاب تین سے زائد مصنفین:

وقار عظیم، سید و دیگر، اردو کی دوسری کتاب، لاہور: پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، ۱۹۸۱ء، ص:۳۶

Book with more then three Authors:

[Quirk. Rondolph. et al. A comprehenrive Grammar of the english Langhage. London: Langman. 1985.]

In Text:

Quirk. et al 122.

(۱۲) مختلف مصنفین کے مضامین، افسانے وغیرہ پر مشتمل مرتبہ کتاب:

وارث علوی، منٹو کا فن: حیات وموت کی آویزش، مقالہ، مشمولہ، اردو افسانہ۔ روایت اور مسائل، مرتبہ: گوپی چند نارنگ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۲ء، ص: ۲۱۸۔۲۲۱

....

عصمت چغتائی، مغل بچہ، افسانہ، مشمولہ، اردو افسانے کی روایت، مرتبہ: مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، اسلام آباد: ۱۹۹۱ء، ص: ۲۱۹۔۲۲۳

A Work in an Anthology:

[Allende, Isabel. "Teadis Month" Trosy. Margaret sayers fredon. A Hammock Benath the mergoes: stories from latin America. Ed. Thomas colchie. New York: Plume, 1992. 83-88]

(۱۳) ایک ہی مصنف کی مرتبہ کتاب:

آزاد، آب حیات، مرتبہ، تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۰ء، ص: ۲۳

(۱۴) مرتب کا مقدمہ، دیباچہ، پیش لفظ:

رشید حسن خان، مقدمہ، باغ وبہار، از میر امن، لاہور: ادارہ فروغ اردو ۱۹۹۲ء، ص: ۱۱

An Intreduction, a Preface, a foreword, or an atfteruord:

[Borges, Jorge L. iis. Foreword. Selected Poems. 1923-14967. By Borges. New York: Belta-Dell. 1973. i-x]

In Text:

Borges vi

(۱۵) رسالے میں شامل مضمون:

اشک، اوپندر ناتھ، منٹو: میرا دشمن، مشمولہ، نقوش منٹو نمبر، لاہور: شمارہ ۵۰، ۱۹۵۵ء، ص: ۲۳۳

An Article in a Magazine:

Robinson, Somon. "Endless War." Time 16 Apr. 2007: 22-25.

(۱۶) رسالے میں شامل انٹرویو:

آغا بابر، آغا بابر سے مکالمہ، راوی، لاہور: گورنمنٹ کالج، شمارہ ۲، جلد ۸۲، ۱۹۹۴ء، ص: ۱۵۹

An Interview:

Aftab. Khalid. Interview. The Ravi Lahore: GC Unir ersity 1994.

(۱۷) مرتبہ کتاب میں شامل انٹرویو:

ممتاز مفتی، باتیں، انٹرویو، از تنویر ریاض، مشمولہ، "مفتی جی" مرتبہ: ابدال بیلا، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۲

(۱۸) کلیات: شعر ونثر:

غلام عباس، زندگی، نقاب، چہرے، افسانوی کلیات، کراچی: دانیال، ۱۹۸۲ء، ص: ۱۹۳

(۱۹) اخبارات، مضمون، کالم وغیرہ:

سعادت سعید، ڈاکٹر، جی سی کے دیوانے، روزنامہ، "جنگ"، لاہور: ۱۲ فروری ۲۰۰۷ء، کالم ۳، ص: ۵

An Article in a newspaper:

Syed, Anwar. "Concepts of Justice." Dawn. 17 Sep. 2006: 1+.

(۲۰) لغت: اردو، فارسی:

بخاری، جمیل، ڈاکٹر، نگران مرتب: "قومی اردو لغت" اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،

۱۹۹۲ء، ص:۱۶۹

Dictionaries:

"Albatross." The Oxford English Dictionary. 2nd ed. Oxford: Oxford up, 1992.

☆☆☆☆

حواشی

۱۔ نور السلام صدیقی، ڈاکٹر، ریسرچ کیسے کریں، دہلی: بشار پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ص:۶۲۔۶۳

۲۔ معین الرحمان، سید، ڈاکٹر، مجلّہ: تحقیق نامہ، شمارہ نمبر ۵، لاہور: شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج، ص: سرورق پچھلہ ورق

۳۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۰۲ء، ص:۳۰۰

۴۔ ایضاً، ص:۲۹۷

۵۔ ش اختر، ڈاکٹر، تحقیق کے طریقہ کار، گیا: تاج پریس باری روڈ، س ن، ص:۱۵۷

نوٹ: حوالہ جات کی اطلاقی امثال کے اندراج کے سلسلہ میں:

(۱) جی سی یونیورسٹی ریسرچ مینوئل (اردو) اور ماڈرن لینگویجز ایسوسی ایشن کی اشاعت، ''فن تحقیق۔ مبادیات، اصول اور تقاضے'' اور ''جدید رسمیات تحقیق'' سے مدد لی۔

(۲) جی سی یونیورسٹی لاہور کے چیف لائبریرین جناب عبدالوحید صاحب، لائبریرین ثمرین لطیف اور عابد اقبال عابد نے بھرپور تعاون کیا۔

☆☆☆☆

تسوید و تبییض (تبیض)

پس منظری مطالعہ سے لے کر مقالے کی ابتدائی تسوید تک ایک تحقیق کار اپنے تحقیقی مقالے کی تیاری کے لئے تمام ممکن الحصول مواد اکٹھا کر لیتا ہے۔ اس مرحلے کے طے ہو جانے پر جمع شدہ مواد کو ترتیب دیا جاتا ہے۔ یعنی کام کے شروع سے لے کر مقالے کی مکمل تحریر تک مواد کو منطقی طور پر مربوط کیا جاتا ہے۔ مقالے کی تسوید و تبییض تک کے تمام مآخذات کو تلاش و جمع کرنے کے بعد اُن کا مکمل جائزہ لے کر نوٹس تیار کئے جاتے ہیں اور پھر مقالے کی تحریر کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔

ڈاکٹر جمیل احمد جالبی کے مطابق لکھنے سے پہلے چار کام کئے جاتے ہیں:

''(۱) موضوع سے پوری واقفیت

(۲) غور و فکر کے بعد نقطۂ نظر کا تعین

(۳) وضاحت کے لئے حوالوں کا اجتماع و ترتیب

(۴) محقق کے وجود میں اظہار کی بے چینی''[۱]

تحقیق کار کو مقالے کی تسوید کا کام شروع کرنے سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ:

(۱) وہ کیا لکھنا چاہتا ہے اور کیوں لکھنا چاہتا ہے۔

(۲) اس لکھنے کے لئے اسے کیا تیاری کرنی چاہئے۔

یعنی مقالے کو تحریر کرنے سے پہلے تحقیق کار کے ذہن میں اپنی تحقیق کا مقصد واضح ہو اور اس کے پاس ممکنہ حد تک معلومات کا ذخیرہ موجود ہونا چاہیے۔ ایسی صورت میں تحقیق کار کو اس کا مطالعہ، اس کی فکر، اس کا نقطۂ نظر اور اس کی ذہنی بے چینی اپنی رائے کے بھرپور اظہار کے لئے مجبور کرے گی۔ اسی اظہار کے لئے ہی تو مقالہ تحریر کیا جاتا ہے۔

پروفیسر محمد عارف نے مقالہ لکھنے کے تین مراحل متعین کیے ہیں:

"یہ کام خاصا وقت طلب ہے کیونکہ آپ کو کم از کم تین بار
مقالہ خوب سے خوب تر انداز میں لکھنا ہوگا۔ پہلے تسوید پھر
تسوید ثانی اور بالآخر تبییض کے مرحلے میں آپ نے داخل
ہونا ہے۔"[۲]

ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی مقالہ کی تسوید کے بارے میں ان درج بالا مراحل میں ایک اور مرحلے کا اضافہ کرتے ہیں۔ یعنی وہ لکھتے ہیں کہ: "مواد کی ترتیب کے بعد مقالہ لکھنے کا کام شروع ہوتا ہے۔"[۳]

تحقیق کار مقالے کی تیاری کے وقت جمع شدہ مواد کو نوٹ کارڈوں کی صورت میں تحریر کرتا ہے۔ لہٰذا تحقیق کار ان نوٹ کارڈوں کو الٹ پلٹ کر عنوانات کے تحت مرتب کر لیتا ہے۔ ان کارڈوں میں سے غیر اہم اور غیر ضروری نوٹ کارڈ الگ کر لیے جاتے ہیں۔ زیادہ اہمیت کے کارڈوں کو اولیت دی جاتی ہے۔ لیکن تحقیق کار کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اسے ان کارڈوں میں سے جو کارڈ غیر اہم لگیں، انہیں بھی اپنی دسترس سے دور نہ رکھے بلکہ انہیں بھی الگ صورت میں محفوظ کر لے تا کہ بوقت ضرورت ان سے بھی اپنے مقالے کی تسوید میں خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جائے۔

کارڈوں پر بار بار نظر ثانی کی جائے اور ان کی ترتیب میں باقاعدگی اور احتیاط سے کام لیتے ہوئے ان کی ترتیب کو ادل بدل کر ایک مرتبہ پھر بہترین منطقی ترتیب کو سامنے لایا جائے تا کہ تحقیق کار کے لئے مقالے کی تسوید میں آسانی پیدا ہو۔

تحقیق کار موضوع کی تلاش اور تعین کے بعد خاکہ سازی کے مرحلے سے گزرتا ہے۔ خاکہ میں وہ اپنے لئے درست سمت کا تعین کرتا ہے۔ لیکن مطالعہ کرنے، نوٹ کارڈ تیار کرنے اور لکھنے کے مراحل میں کبھی بھی خاکہ کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہیے۔ ایسا کرنے سے تحقیق کار اپنے تحقیقی سفر پر بہترین طریقے سے گامزن رہ سکتا ہے اور کوئی بھی غیر ضروری بیان یا خیال اس کو بھٹکنے نہیں دے گا۔

تحقیق کار کے لئے ضروری ہے کہ مقالہ کی تسوید کے وقت جتنے بھی خیالات جس

روانی اور ترتیب کے ساتھ اس کے ذہن میں آئیں انہیں ساتھ ساتھ قلم بند کرتا جائے۔ اس کے لئے لکھنے کا عمل مسلسل اور تسلسل کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اسے جملوں کی قباحت، لفظوں کا غیر مناسب طریقے سے چناؤ یا قواعد کی دیگر اغلاط سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ یہ مرحلہ تحقیق کار کے لئے محض سوچ کی عکاسی کا ہوتا ہے خواہ وہ کتنا ہی خام کیوں نہ ہو، اس کو اپنے کام میں تسلسل کو قائم رکھنا چاہیے کیونکہ اگر کام کے دوران ایک آدھ دن کے لئے وقفہ آ جائے گا تو پھر ذہن میں خیالات کو دوبارہ اُجاگر کرنے کے لئے کچھ عرصہ ضرور درکار ہوگا۔ معاشرتی اور خانگی ذمہ داریاں بھی تحقیق کار کو زیادہ فرصت نہیں دیتیں لیکن اس کے باوجود تحقیق کار کو مسلسل اپنے کام میں مصروف رہنا چاہیے۔ اس سارے عمل کے دوران اگر تحقیق کار کو اپنے ابتدائی خاکے میں تبدیلی کرنا درکار ہو تو وہ بھی کی جا سکتی ہے لیکن مکمل طور پر نیا خاکہ تیار کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اس طرح اسے نئے مآخذات تک دوبارہ رسائی حاصل کرنا ہوگی، پھر نئے سرے سے مطالعہ کرنے کے بعد دوبارہ نوٹ کارڈوں کی تشکیل کرنا پڑے گی جو کہ ایک انتہائی مشکل اور محنت طلب کام ہے۔ تحقیق کار بار بار کی محنت سے بددل ہو کر کام سے قطع تعلق بھی ہو سکتا ہے۔

تحقیق کار کو مقالے کی تسوید کے دوران اپنے ذہن کے خیالات کو کاغذ پر منتقل کرتے ہوئے ایک سطر کو چھوڑ کر لکھنا چاہیے۔ اس ضمن میں پروفیسر محمد عارف طریقۂ تسوید کے لیے تین ہدایات پر عمل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں:

"(۱) اولاً یہ کہ دو سطروں کے درمیان اتنی جگہ رکھیں کہ
بعد ازاں، تبدیلی یا اضافہ وہاں رقم ہو سکے۔
(۲) تسویدی مرحلے سے پہلے آپ اپنے تمام نوٹ کارڈ، فوٹو
سٹیٹ کرا لیں۔
(۳) ہر استعمال ہونے والے نوٹ کا مختصر حوالہ حاشیہ میں
درج کرنا مت بھولیے۔"[۴]

زندگی کا ہر کام یکسوئی کا طلب گار ہے۔ لہٰذا تسوید کا کام کرتے وقت بھی یکسوئی

کی ضرورت ہے۔ آرام دہ ماحول اور جگہ تسوید کے کام کے لئے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ٹریفک کا بے ہنگم شور یا ٹی وی، ریڈیو کا شور تسوید کے کام میں یکسوئی پیدا نہیں ہونے دیتا، لکھنے کا وقت بھی تحقیق کار کی اپنی مرضی پر منحصر ہے اسے روزانہ کے طے شدہ نظام الاوقات کے تحت تسوید کا کام کرنا چاہیے۔ صبح، دوپہر یا شام کا جو بھی وقت مقرر کر لے، اسے ان اوقات میں دلجمعی کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔ کھانے کے اوقات کے فوراً بعد لکھنے کا وقت مقرر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ پیٹ بھر کر کھانا کھانے سے ذہن و جسم میں اکتاہٹ اور سستی کا چھا جانا بھی لکھنے کے عمل میں رکاوٹ کا باعث بن سکتا ہے۔

عملی تحقیق کے حوالے سے دیکھا جائے تو موسم کی سختیاں، شدید گرمی، شدید سردی، طبیعت کی ناسازی، پیشہ ورانہ الجھنیں اور معاشرتی و سماجی مسائل لکھنے کے عمل کی رفتار کو بہت حد تک کم کر سکتے ہیں، پھر بھی جہاں تک ہو سکے اپنے پاس موجود مواد کے متعلق سوچنا اور ذہن میں ترتیب دے کر لکھنے کے عمل کو آسان تر بنایا جا سکتا ہے۔

آغازِ تسوید کے بعد تحقیق کار کو بہت سارے نئے امکانی مآخذات تک رسائی ہو جاتی ہے۔ ان کے مواد کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ اس طرح تحقیق میں حاصل شدہ مواد کے بدلنے کے امکانات میں تبدیلی بھی آ سکتی ہے۔ لیکن تحقیق کار کی حتی الامکان کوشش ہونی چاہیے کہ اس کا پہلا مسودہ ہی آخری متن ہو اور اس میں نظر ثانی کی ضرورت کم ہی پیش آئے۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہوتا کیونکہ مقالے کی پہلی تسوید میں تحقیق کار جملوں کو بہتر طریقے سے ترتیب نہیں دے پاتا، اس میں قواعد یا املا کی بے شمار اغلاط ہو سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ آغازِ تسوید میں بے شمار اقتباسات یا دلائل بھرتی کے شامل ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان کو مقالے سے حذف کرنا ضروری ہوتا ہے لہٰذا مسودے پر نظر ثانی کی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے۔

اس سلسلہ میں پروفیسر محمد عارف تحریر کرتے ہیں:

> ''مسودہ تیار کرنے کے بعد آپ کم از کم چند گھنٹے اس سے الگ تھلگ ہو جائیں کوئی دوسری مصروفیت پیدا کر لیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ کم از کم ایک دن کا وقفہ ڈال لیں۔''[۵]

تسوید کے بعد جب تحقیق کار نظر ثانی کے مرحلے میں داخل ہوتا ہے تو اسے مقالے کے ڈھانچے میں بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ یہ بات مقالے کی ترتیب و تزئین کے لئے سودمند نہیں ہوتی۔ وہ اس مرحلے پر املا، رموزِ اوقاف، جملوں کی مناسب ترتیب اور دوسرے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔ مواد پر جتنی مرتبہ نظر ثانی ہو سکے اتنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ سندی تحقیق میں وقت کی حد مقرر ہوتی ہے۔ لہٰذا اس مجبوری کے پیش نظر تحقیق کار دو تین مرتبہ نظر ثانی کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ نگران بھی اس کے پیش کردہ مسودے پر ایک دو دفعہ نظر ثانی کر ہی لیتا ہے۔

نگران کو نظر ثانی کے لئے پیش کیا جانے والا مسودہ کم از کم ایک یا دو سطریں چھوڑ کر اور صفحے کے ایک طرف لکھا جانا چاہیے۔ تاکہ اگر نگران مسودے پر اپنی تجاویز تحریر کی صورت میں دینا چاہے تو اس کے لئے تھوڑی جگہ تو موجود ہو۔ مسودے کی کہیں کہیں اصلاح کرنے میں بھی یہ چیز نگران کے لئے آسانی کا باعث بن سکتی ہے۔

تحقیق کار کو مسودہ صاف اور خوشخط تحریر کرنا چاہیے تاکہ عبارت پڑھنے میں آسانی ہو۔ نگران کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے وہ مسودے کو مزید بہتر بنا سکتا ہے۔ تحقیق کار اور نگران، دونوں کا تسوید کے کام پر متفق ہونا انتہائی ضروری ہے۔ پہلے مسودے کی تسوید کے بعد نظر ثانی کے دوسرے مراحل کا تعلق تبییض کے ساتھ ہے۔ اس کام کی تکمیل کے بعد ہی وہ مسودہ تیار ہوتا ہے جسے مبیضہ کہتے ہیں۔ یہ مبیضہ ہی ہوتا ہے جو طباعت کے لئے مطبع خانے بھیجا جاتا ہے اور آخر کار کتابی صورت میں قاری کے سامنے آتا ہے۔

تسوید کے متعلق تفصیلی بیان کے بعد کچھ ملکی و غیر ملکی محققین کی آراء کی روشنی میں تحقیق کار کے لئے چند مزید مشورے پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) تحقیقی مقالے میں حقائق کو سادگی کے ساتھ تحریر کرنا چاہیے۔ عبارت آرائی نہ ہو اور ایجاز و اختصار سے بھی اجتناب کیا جائے۔

(۲) مقالے میں حقائق کو حتی الامکان تاریخی ترتیب میں دینا چاہیے۔

(۳) تحقیقی مقالے کا مضمون ایک اکائی میں ہو، مبہم اظہار سے اجتناب ہو اور تحقیق

کار اپنا اظہار قاری کے علم کے مطابق کرے۔

(۴) تحقیقی مقالے میں پیش کردہ اقتباسات بالکل درست نقل کیے جائیں، ان میں مواد ٹھوس ہو اور تائیدی حوالے موجود ہوں۔ حوالے اور اعداد و شمار متن کے ساتھ ربط رکھتے ہوں۔ غیر ضروری مآخذات درج نہیں کرنے چاہئیں۔

(۵) تحقیق میں دیانت داری ایک خاص خوبی سمجھی جاتی ہے۔ تحقیق کار کے دلائل، تشریح و تاویل واضح ہو اور مواد کی ترتیب دلکش ہونی چاہیے۔

تسوید کے بعد تبییض کا مرحلہ آتا ہے۔ مقالے کی تسوید پہلے مسودے کو تیار کرنا کہلاتی ہے۔ نظر ثانی کا مرحلہ اس کے بعد آتا ہے۔ نظر ثانی کا کام ایک سے زائد مرتبہ بھی کیا جاتا ہے۔ تسوید اور تبییض ہی مقالے کی تکمیل کا نام ہے۔ تبییض کے بعد جو مسودہ تیار ہو کر مقالے کی شکل اختیار کرتا ہے اسے مبیضہ کہتے ہیں۔ نظر ثانی کے عمل میں خذف و اضافہ کا امکان ممکن ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ بھی ہو تو پھر بھی ترتیب پر دوبارہ نظر ڈالی جا سکتی ہے۔ مقالے میں شامل حقائق اور اقتباسات و حوالہ جات کی مناسب ضرورت پر توجہ دی جا سکتی ہے۔ مقالے کی زبان اور اسلوب کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ اس مرحلے پر اگر مقالے میں ترمیم و اضافے کی ضرورت محسوس ہو تو ڈاکٹر گیان چند کے مشورے پر عمل کیا جا سکتا ہے جو آسانی پیدا کر سکتا ہے:

> "میں ہر مضمون اور کتاب کے مسودے کو ایک بار نقل کرتا ہوں لیکن اس نقل میں سب کچھ ترمیم، خذف و اضافہ، مطالب کی ترتیب نو اور زبان کی درستی کرتا ہوں۔ نقل کرنے کے فوراً بعد یا بعض اوقات نقل کے دوران ہی میں پھر کوئی ترمیم یا اضافہ کرنا ہوتا ہے تو قینچی سے ورق کاٹ کر اضافہ کرتا ہوں، چسپیاں چپکاتا ہوں، اِدھر کا حصہ اُدھر اور اُدھر کا حصہ اِدھر کرتا ہوں۔ گویا ایک تبییض دو تین تبییضوں کے برابر ہو جاتی ہے۔ میرا کوئی مبیضہ ایسا نہیں ہوتا جس میں چسپیاں نہیں چپکائی گئی

> ہوں۔ اس لئے میری رائے ہے کہ اردو کے محقق کو تبییض کے دوران قینچی اور گوند کی لازماً ضرورت ہے۔"[۲]

ڈاکٹر گیان چند کا استعمال کردہ یہ طریقہ انتہائی قابل عمل ہے۔ خصوصی طور پر جب کوئی بڑی تبدیلی کرنا مقصود نہ ہو اور صرف ایک آدھ اقتباس کی تبدیلی درکار ہو، تو پورا صفحہ نقل کرنے کی بجائے اس طریقے پر عمل کرنے سے وقت اور محنت کی بچت کی جا سکتی ہے۔ تحقیق کار کو چاہیے کہ جب آخری تبییض کر چکے تو بھی پورے مسودے کو ایک نظر دیکھ لے تا کہ اگر مقالے میں کسی قسم کی کوتاہی یا لاپرواہی نظر آئے تو اس کا بروقت ازالہ کر لیا جائے۔

تحقیق کار جب ان تمام مراحل سے گزرتا ہے تو اس کا مقالہ مبیضہ کی صورت اختیار کرتا ہے۔ یہ مبیضہ ہی ہے جس کی بنیاد پر محقق کی تحقیق کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے اور اس کے مقالے کے معیار و افادیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ مبیضہ یا مقالے کی پیش کش کے کچھ مخصوص اصول و ضوابط مقرر ہیں۔ جن کی پابندی کرنے کے بعد تحقیق کار اطمینان کے ساتھ اپنے حاصل کردہ نتائج کو پیش کر سکتا ہے۔ یہ تمام اصول و ضوابط تحقیق کار کے لئے داخلی اور خارجی دونوں سطحوں پر اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کا تعلق مبیضہ یا مقالہ کی شکل و صورت، انداز، ابواب بندی، اسلوب اور جلد بندی وغیرہ سے ہے۔

☆☆☆☆

حواشی

۱ جمیل جالبی، ڈاکٹر، مقالہ، تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر لکھنے کے اصول، مشمولہ، اردو میں اصول تحقیق، جلد اول، مرتبہ: ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، ص ۶۲

۲ محمد عارف، پروفیسر، تحقیقی مقالہ نگاری (طریق کار)، لاہور: ادارہ تالیف و ترجمہ، پنجاب یونیورسٹی، مارچ ۱۹۹۹ء، ص: ۲۸۶

۳ عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر، مبادیات تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، س ن، ص: ۵۰

محمد عارف، پروفیسر، تحقیقی مقالہ نگاری (طریق کار)، لاہور: ادارہ تالیف و ترجمہ، پنجاب یونیورسٹی، مارچ ۱۹۹۹ء، ص: ۲۹۰

ایضاً، ص: ۲۹۳

گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۰۲ء، ص: ۲۶۷

☆☆☆☆

کتابیات: ببلیو گرافیکل تفصیلات

کتابیات سے مراد وہ فہرست ہے جو محقق اپنی تحقیق سے قبل اور تحقیق مکمل کرنے کے بعد حتمی طور پر تیار کرتا ہے جس کے مطالعے سے اس کی ابتدائی تحقیق اور مقالے کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے میں آسانی رہتی ہے۔ خاکہ سازی یا مقالے کی تیاری میں جن کتابوں یا دیگر مطبوعات سے استفادہ کیا جاتا ہے، محقق ان سب کی تفصیل مقالے کے اختتام پر کتابیات کے عنوان کے تحت بیان کرتا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند کتابیات کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> ''کتابیات کو ماخذ یا مصادر بھی کہتے ہیں۔ لیکن آسان لفظ کتابیات کو ترجیح دینی چاہیے۔ یہ کتاب کے آخر میں اشاریے سے پہلے ہوتی ہے۔ اگر اشاریہ نہ ہو تو کتابیات ہی آخری جزو ہوگی۔''[۱]

ڈاکٹر عبدالرزاق قریشی کتابیات یا فہرست مآخذ کے حوالے سے یوں تحریر کرتے ہیں:

> ''اس فہرست سے اصل کتاب کے مآخذ معلوم ہونے کے علاوہ مواد کے استناد، اہمیت و افادیت وغیرہ کا اندازہ ایک جھلک میں ہو جاتا ہے۔ کتابیات محض کتابوں کے زیادہ سے زیادہ نام گنوانے کے لیے نہ ہو۔ جو کتاب بھی ہو براہ راست موضوع سے تعلق رکھتی ہو اور اس سے مصنف یا مقالہ نگار نے اپنی تصنیف یا مقالہ میں استفادہ کیا ہو۔''[۲]

کتابیات / ببلیو گرافی (Bibliography) فن تحقیق کا ایک لازمی حصہ اور اس کا اہم ذیلی شعبہ ہے جو بعض دوسرے ذیلی شعبوں کی طرح اپنی ضرورت، خصوصیات اور

حدود کی بنا پر ایک قائم بالذات شعبہ بن گیا ہے۔ کتابیات کی اپنی افادیت کے حوالے سے کئی ایک اقسام اور شکلیں ملتی ہیں۔ مثلاً مختلف علوم کی کتابیات، کسی مصنف کی کتابیات، کسی صنف ادب کی کتابیات، مختلف تاریخی ادوار کی کتابیات، کسی موضوع کی کتابیات وغیرہ۔ ان کے علاوہ وضاحتی کتابیات، تجزیاتی کتابیات اور سوانحی کتابیات الگ ہیں۔ چونکہ کتابیات فن تحقیق کا ایک علیحدہ شعبہ یا لازمی حصہ ہے اس لیے فطری طور پر اس کی موثر کارکردگی کے لیے کچھ اپنے اصول، شرائط اور ضابطے بھی طے پا گئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کتابیات کو مخصوص تحریروں کے اجمالی تعارف، مستند حواشی یا مقدمہ نگاری، شماریات (فہرست سازی) ترتیب نگاری اور تدوین کاری کا امتزاج ہونا چاہیے۔

ببلیو گرافیکل تفصیلات سے مراد ہے:

(۱) نام مصنف یا مرتب
(۲) نام کتاب یا رسالہ وغیرہ
(۳) مقام اشاعت (شہر کا نام)
(۴) پبلشرز کا نام
(۵) تاریخ اشاعت
(۶) ایڈیشن کا نمبر
(۷) صفحہ یا صفحات کا نمبر (حسب ضرورت)

کتابیات ایک علم (سائنس) ہے اور لائبریری سائنس ایک الگ اور باقاعدہ مضمون ہے اس کے حدود کار اور قواعد و شرائط کے مطابق مرتب کتابیات کے لیے لازم ہے کہ:

"(۱) وہ اپنی ہر Entry (اندراج) کو ذاتی طور پر بکمال توجہ ملاحظہ کرے۔

(۲) ببلیو گرافر فن تحقیق کے بنیادی اصول کے مطابق کسی کتاب یا مضمون وغیرہ کی اشاعت کے اصل ماخذ تک رسائی حاصل کرے۔ کتابیات میں کسی اندراج کے وقت اس کا مکمل حوالہ لازمی ہے۔ ثانوی ماخذ بحالت مجبوری اختیار کیا جائے مگر اس کی مختلف ذرائع سے Authenticity کی

تصدیق کر لی جائے اور ثانوی ماخذ کا ببلیو گرافیکل تفصیل کے ساتھ مکمل حوالہ بہ الفاظ دیگر اعتراف، مرتب کا اولین فرض ہے۔

(۳) کسی مصنف/ موضوع/ تاریخی دور وغیرہ کی کتابیات میں متعلقہ کتاب کے سن اشاعت کی تاخیر و تقدیم یا مختلف ایڈیشنوں/ طباعتوں کی ترتیب کا خیال رکھا جانا چاہیے، یعنی کتابوں کی فہرست تاریخی اعتبار سے مرتب کرنی چاہیے۔

(۴) اگر کسی کتاب یا مضمون کی مختلف اشاعتیں ہیں تو ہر ایڈیشن (اشاعت) کا اندراج اپنی ببلیو گرافیکل تفصیلات کے ساتھ کرنا ہوگا۔ اگر کسی ایڈیشن یعنی نئی طباعت میں نظر ثانی یا ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے تو متعلقہ ایڈیشن کے اندراج میں اس کا ذکر بھی آئے گا۔

(۵) اگر کسی مضمون/ مقالہ/ افسانہ وغیرہ کی ایک سے زیادہ رسالوں میں اشاعت ہے تو ہر رسالہ کی اشاعتی تفصیل دینی ہوگی۔ ان دنوں ایک مذموم رجحان شروع ہو گیا ہے۔ شہرت پسند مصنف اپنی ایک تحریر کا نام/ عنوان بدل بدل کر مختلف رسائل میں چھپوا لیتے ہیں۔ عنوان/ نام کی تبدیلی کی بنا پر اس کا اندراج نئی تحریر کے طور پر نہیں ہوگا۔ یہ مرتب کتابیات کا فرض ہے کہ وہ اس مغالطہ انگیزی کی نشاندہی کرے اور ایک ہی عنوان کے تحت مختلف اشاعتیں دکھائے۔

(۶) اگر کوئی کتاب مختلف مقالات یا افسانوں کا مجموعہ ہے تو وضاحتی قوسین میں ان مقالات/ افسانوں کے عنوانات ترتیب وار لکھ دینے چاہئیں اور اگر ان کی اول اشاعت (رسالہ، مقام اشاعت اور تاریخ) بھی درج کر دی جائے تو

مستحسن ہے۔

(۷) بلیو گرافی میں شامل کتاب کے مقدمہ، پیش لفظ اور حواشی کا ذکر بھی لازمی ہے۔

(۸) کسی کتاب کے مجلد اور غیر مجلد ایڈیشن کی نشاندہی بھی مفید ہے۔

(۹) اگر کسی انگریزی (یا کسی دوسری زبان) کے انسائیکلوپیڈیا یا حوالہ جاتی کتاب یا عام کتاب/ رسالے سے کوئی اقتباس لیا جائے تو بلاضرورت اسے اردو میں منتقل نہ کیا جائے تو بہتر ہے، خصوصاً اسم اور کتاب کے نام کا لفظی ترجمہ غیر نفع بخش ہوتا ہے۔ اگر کوئی نام یا لفظ اردو حروف میں لکھنا ہی ہے تو اس کے ساتھ اصل نام، اصلی شکل میں بھی دے دیا جائے البتہ (بعض کتابوں، ناولوں، ڈراموں) کے ناموں کے باقاعدہ تراجم کی بات دوسری ہے۔ جیسے جرم وسزا، جنگ اور امن، تکبر اور تعصب، طربیۂ خداوندی، معمار اعظم، خراب آباد۔ ایڈیٹ کو بیوقوف یا احمق میں بدلنے کی بجائے ایڈیٹ کا لفظ برقرار رکھنا حسن ذوق کی دلیل ہے، دوسری مثالوں میں بڈھا گوریو، مولی ڈک اور برادران کرامازوف (مترجم: شاہد حمید) کا نام لیا جا سکتا ہے۔

(۱۰) اگر کتابیات میں شامل اور مندرج کتب اور غیر مدون تحریروں پر قابل ذکر تبصروں کی نشاندہی بھی کر دی جائے تو یہ مرتب کتابیات کی ایک اضافی خوبی گردانی جائے گی۔

(۱۱) کتابیات میں مکرر اندراج سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیے۔ اگر اندراج ناگزیر ہو تو Cross Refernce سے مقدم اندراج کی نشاندہی کی جانی چاہیے۔''[۳]

درج بالا اصول کتابیات یا بلیو گرافی مرتب کرنے والوں کے لیے یقیناً حتمی تفصیلی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ اردو میں مقالات کے آخر میں تمام مآخذوں کے اندراج کو کتابیات یا کتاب نامہ، مآخذات، کتب حوالہ وغیرہ کا نام دیا جاتا ہے۔ انگریزی میں Sources. Bibliography یا References کہتے ہیں۔ کتابیات میں صرف وہی کتب، رسائل، لغات، دائرہ ہائے معارف، غیر مطبوعہ مواد، دستاویزات، انٹرنیٹ، وغیرہ درج ہوتے ہیں جن کا حوالہ مقالے میں موجود ہوتا ہے۔ کتابیات کی فہرست مرتب کرتے وقت ان کی مختلف حیثیتوں کے لیے الگ الگ گوشے مقرر کیے جاتے ہیں۔

کتابیات یا بلیو گرافی مرتب کرنے کے لیے دنیا میں کئی طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ جن میں MLA، ماڈرن لینگویج ایسوسی ایشن (ایم ایل اے ہیئت) APA، امریکی سائیکالوجی ایسوسی ایشن (اے پی اے ہیئت)، CBA کونسل آف بائیولوجیکل ایڈیٹرز اور شکاگو ہیئت وغیرہ وغیرہ۔ انٹرنیٹ کے اس دور میں ان تمام ہیئتوں کے لیے Wibliography کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

یونیورسٹیوں میں کتابیات کی فہرست تیار کرنے کے مختلف طریقہ ہائے اختیار کیے گئے ہیں۔ لیکن زیادہ تر یونیورسٹیوں میں (MLA) ایم ایل اے ہیئت کو ہی اپنایا گیا ہے۔ ذیل میں کتابیات کی فہرستیں تیار کرنے کے لیے جو مثالیں دی گئیں ہیں ان میں ایم ایل اے ہیئت کو ہی اپنایا گیا ہے۔ اگلے صفحات میں تحقیق کاروں کے استفادہ کے لیے تقریباً تقریباً مآخذات کے تمام گوشوں کو ترتیب دے کر اردو اور انگریزی دونوں طریقوں سے کتابیات کی فہرستیں تیار کرنے کی مثالیں پیش کی گئیں ہیں۔

ذیل میں انگریزی اور اردو کے مآخذات کے الگ الگ گوشے بنا کر کتابیات کی فہرست تیار کی گئی ہے۔

(۱) ایک مصنف کی صورت میں:

انیس ناگی، غالب: ایک شاعر ایک اداکار، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۰ء

With Single Author:

Aizazuddin. F.S.Lahore recollected: and album Lahore: Sang-e-Meel Publishers. 2004.

(۲) دو مصنفوں کی صورت میں:

محمد احسن فاروقی وسید نورالحسن ہاشمی، ناول کیا ہے؟، لاہور: اردو اکیڈمی، ۱۹۲۴ء

With Two Author:

Singleton. Royce A.. and Bruce C. Straits. Approaches to Social research. Oxford: Oxford University Press. 2005.

(۳) تین مصنفین ہوں تو:

محب عارفی، محبوب خزاں وقمر جلیل، تین کتابیں، کراچی: مکتبہ کارواں، ۱۹۶۳ء

With Three Authors:

Bodie. Zvi. Ale Kana. and Alan J. Marcus. Investment. Boston: McGraw Hill. 2005.

(۴) تین سے زیادہ مصنفین کی صورت میں:

وقار عظیم، سید ودیگر، اردو کی دوسری کتاب، لاہور: پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، ۱۹۸۱ء

With more than three Authors:

Kidwell. Davil S.. et al. Financial institutions. Markets and Money. New York: John Wiley & Sons. Inc.. 2006.

(۵) ایک ہی مصنف کی ایک سے زائد کتابوں کی صورت میں:

۱۔ عبادت بریلوی، خواجہ میر درد دہلوی، لاہور: ادارۂ ادب وتنقید، ۱۹۸۳ء

۲۔ ـــــ، مومن اور مطالعہ مومن، کراچی: اردو دنیا، ۱۹۶۱ء

۳۔ ـــــ، مرتب، نالہ درد، لاہور: ادارہ ادب وتنقید، ۱۹۸۰ء

(اردو میں مصنف کا نام تینوں جگہوں پر بھی لکھا جا سکتا ہے)

Two or more Books by the same Author:

(1) Borroff. Marie. Language and the past: ... Verbal Artistry in Frost. Stevens. and moore. Chcago: U of Chicago p.1979

(2) ... Trans. Sir Gawain and the Greem Kinght. New York: Norton. 1967.

(3) ... ed. Wallace Stevens: A collection of critical Essays. Englewood Ciliffs: Prentice. 1963.

(۶) مرتبہ کتب: (مرتب کا حوالہ)

(مرتبہ کتاب کی کئی صورتیں ہیں۔ اس باب میں از حد احتیاط کی ضرورت ہے۔ مقالہ نگار نے اگر مرتب کے پیش لفظ، مقدمے، دیباچے میں سے کوئی حوالہ دیا ہے تو اس صورت میں مرتب کا نام پہلے آئے گا۔)

۱۔ رشید حسن خان، مرتب، مقدمہ، باغ و بہار، از میر حسن، لاہور: نقوش پریس، ۱۹۹۲ء

(اگر مقالہ نگار نے مرتبہ کتاب کے اصل مصنف کے متن سے اقتباس دیا ہے تو اصل مصنف کا نام پہلے آئے گا۔)

۲۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ولی کی غزل، تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، مرتبہ محمد خان اشرف، لاہور: مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۶۵ء

(بکھرے ہوئے کام کو یکجا کرنے کی صورت میں مرتب کا نام پہلے لایا جائے گا، خواہ اقتباس مرتب سے نہ لیا گیا ہو۔)

۳۔ ابدال بیلا، مرتب، مفتی جی، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۸ء

With Editor:

Chaghatai. Ikrm. ed. Shah Waliullah (1703-1762): His

religious and political Thought. Lahore: Sang-e-Meel Publication. 2005.

(۷) دیباچہ کی صورت میں:

مرتضیٰ حسین فاضل، سید، دیباچہ، عود ہندی، از مرزا اسد اللہ خان غالب، طبع دوم، لاہور: مجلس ترقی اردو، ۱۹۶۷ء

مقدمہ نگار کی صورت میں:

مرتضیٰ حسین فاضل، سید، مقدمہ، عود ہندی، از مرزا اسد اللہ خان غالب، طبع دوم، لاہور: مجلس ترقی اردو، ۱۹۶۷ء

An Introduction, a Preface, a Freword etc.

Doctorow. E.L.Introduduction. Sister came. By theodors .Dreiser. New York: Bantam. 1982. v-xi.

(۸) حکومتی یا نجی اداروں کی بحیثیت مصنف صورت میں:

حکومت پاکستان، پاکستان اکنامک سروے: ۲۰۰۶ء۔ ۲۰۰۵ء، اسلام آباد: حکومت پاکستان، ۲۰۰۶ء

With Corporate Authors:

Government of Pakistan. Pakistan economics survey: 2004.05. Islamabad: Government of Pakistan. 2005.

(۹) مترجم کی صورت میں:

(کتابیات میں مترجم کے نام کو اولیت دی جائے گی۔)

عبدالرشید تبسم، مترجم، رومی جلال الدین، مولانا: فیہ مافیہ، از مولانا جلال الدین رومی، لاہور: مکتبہ خیال، ۱۹۸۸ء

(اس طرح بھی لکھ سکتے ہیں)

ایلیٹ، ٹی۔ ایس، ایلیٹ کے مضامین، جمیل جالبی، مترجم، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء

With Translator:

Kafka. Franz. Metamorphosis. Trans. and Ed. Stanley corngold. New York: Bantam. 1972.

(۱۰) نامعلوم مصنف:

(ایسی صورت میں حال میں چھان بین کی مقدور بھر کوشش میں ناکامی کے بعد تصنیف کا عنوان دیا جائے گا۔)

... نسخا دلکشا، گنیش پریس، شری بھونیدر لال متر، ۱۶ جون ۱۸۷۰ء

Un Known Author:

Encyclopedia of virginia. New York: Somerset, 199:.

No Author:

World Development Report. New York: Oxford UP. 1989.

(۱۱) طباعت اول کے بعد کی مطبوعات کی صورت میں:

اعجاز احمد، سائنس اور تحقیق، اشاعت دوم، لاہور: سنگ میل پبلشرز، ۲۰۰۴ء

An Edition other than the First:

Aijazuddin. F.S. Lahore recollected: An allum 2nd ed. Lahore: Sang-e-Meel Publisher. 2004.

(۱۲) سلسلہ وار کتاب کی صورت میں:

اشفاق احمد، پراسرار کنویں کا راز، عمران سیریز، نمبر ۱۴، لاہور: خزینہ پبلشرز، ۱۹۹۹ء

A book in a Series:

Pihl, Marshall R. The Korean Singer of tales. Harvard Yenching Inst. Monograph ser. 37. Cambridge: Harvard UP. 1994.

(۱۳) کتاب کی اگر کئی جلدیں ہوں:

شبلی نعمانی، مولانا، سیرۃ النبیؐ، جلد دوم، لاہور: ادارہ اسلامیات، ستمبر ۲۰۰۲ء

Multivolum Work:

Hodgson, Marshall G.S. The Venture of Islam: Conscience and history in a world. Civilization Vols. Lahore: Vanguard Books. 2004.

(۱۴) مطبوعہ منتخب مجموعہ (خصوصاً شاعری، بیاض):

احمد حمید، مدیر، کلیات بشیر، لاہور: خزینہ علم وادب، ۲۰۰۱ء

Anthology:

Feldman, Paula R., ed. British women poets of the Romantic Era. Baltimore: Jhons Hopkins UP, 1997.

(۱۵) انسائیکلوپیڈیا کی صورت میں:

سالک، عبدالمجید، آزاد، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد اول، ۱۹۷۰ء

Reference Book (Encyclopedia):

Smith, Bruce Lannes. "Propaganda". New Encyclopaedia Britannica, Macropedia. 15th ed. 1991.

(۱۶) لغت کی صورت میں:

سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، جلد دوم، طبع مکرر، لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۷ء

Reference Book (Dictionary):

"Onomatopoeia" Merriam webster's Collegiate Dictionary. 11th ed. 2003.

(۱۷) الہامی کتب کی صورت میں: (حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبیؐ ہیں)

قرآن [پاک]، سورۃ الکوثر، آیت نمبر ۲

بائبل [مقدس]، نیویارک: نیوامریکن لائبریری، ۱۹۶۲ء

Sacred Texts:

Koran, Surah Al.Kausur, ayat no 2.

.....

The Holy Bible Revised Standard Version- New York: New American Library. 1962.

(۱۸) کتاب پر تبصرہ کی صورت میں:

انور سدید، تبصرہ کتب، آئے تیری تلاش میں، از محمد حنیف چوہدری، خبریں سنڈے میگزین، ۲۷ ستمبر ۲۰۰۹ء

[کتب پر تبصرے عموماً رسائل یا اخبارات میں شائع ہوتے ہیں اس لیے کتابیات میں ان کے اندراج کے لیے وہی اصول کارفرما ہوں گے جو رسائل کے اندراج کے لئے ہیں]

Book Review:

Naqvi Rizwan. "Unfairness of Life." Rev. of On the edge: Short Stories. N.J Nusha. The Dawn. 17 Sep 2006: 7.

(۱۹) مشکوک مقام وسال طباعت کی صورت میں:

مصباح احمد، تاریخ کے دریچوں سے، [لاہور]: علم وادب پبلشر، [۱۹۶۵ء؟]

A Book Without Stated Publication Information or Pagination:

Bauer, Johann. Kafka und prag. (Stuttgart): Belser, (1971?)

(۲۰) غیر مطبوعہ مقالہ کی صورت میں:

کنول امین، لائبریری میں کمپیوٹر کے اثرات، مقالہ، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۸ء

An Unpublished Dissertation:

Boyle, Anthony T. The Epistemological Evolution of Penaissance Utopiean Literature: 1516-1657. Diss. New York U, 1983.

(۲۱) چند اوراق کا غیر مجلد مطبوعہ کتابچہ یا مقالہ یا اطلاع نامہ:

لاہور: جی سی یونیورسٹی، ۲۰۰۹ء

A Pamphlet:

London, New York: Trip Builder, 1996.

(۲۲) عالمانہ مضامین (اگر جرائد کے صفحات تسلسل کے ساتھ ہوں):

محمد احمد خاں، ''کالج لائبریری کے استعمال میں طلبہ کے رجحانات''، پاکستان جرنل آف لائبریری سائنس، جلد ۳۶ (۲۰۰۹ء) ۱-۱۲

Scholarly article (Using Continuous Pagination):

Cohen, Jerome B. "Economic development in Pakistan." Land Economic. 29. (1958): 1-12

(۲۳) عالمانہ مضامین (اگر جرائد کے صفحات تسلسل کے ساتھ نہ ہوں):

محمد احمد خاں، ''کالج لائبریری کے استعمال میں طلبہ کے رجحانات''، پاکستان جرنل آف لائبریری سائنس، جلد ۳۲، شمارہ ۵ (۲۰۰۹ء): ۱ تا ۱۲

Scholarly article (Using separate Pagination for each issue):

Cohen. Jerome B. "Economic Development in Pakistan." Land Economic. 29.1 (1958): 1-12

(۲۴) مقالہ کی اشاعت ثانی:

ثاقف نفیس، ڈاکٹر، کاپی رائٹ ایکٹ اور لائبریری، لائبریری سائنس جنرل، (۱۹۹۶ء) ۱-

Reprinted Article:

Hunt, Tim. "The Misreading of Kerouae." Review of Contemporary Fiction 3.2 (1983): 29-33. Rpt in contemporary Literary Criticism. Ed. C. Riley. Vol. 61. Detroit: Gale, 1990. 308-10.

(۲۵) اخبارات کی صورت میں:

روزنامہ ''جنگ'' لاہور: ۵ دسمبر ۲۰۰۶ء

(اس طرح بھی لکھ سکتے ہیں)

خان علی، ''لوگ کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں'' نوائے وقت، ۳۰ اگست ۲۰۰۹ء

رسائل کی صورت میں:

نقوش، لاہور: افسانہ نمبر، شمارہ نمبر ۳۷، جنوری ۱۹۵۴ء نقوش، لاہور: شمارہ نمبر ۴۵، اکتوبر ۱۹۵۴ء

Newspaper or Magazine articles:

Azfar, Kamal. "Concepts of Justice." Dawn. 17 Sep. 2006:1+

(۲۶) حوالہ اقتباس برائے تحقیقی مجلہ: (اگر آن لائن رسالے سے لیا گیا ہو)

ابوبکر صدیق، ''عالمی منڈی میں قیمتوں کا اتار چڑھاؤ اور پیٹرول''، پاکستانی معیشت، ۲۰-۱۵: (۲۰۰۸ء) ۱۴، ماخذ

http:www.gcu.edu.pk/library/newsinden.htm>

Citation for Scholarly Journals:

Cohen, Jerome B. "Economic development in Pakistan." Land Economic 29 (1958):1-12 Ebscohost. GCu Library. 15 Sep. 2006. <http://www.gcu.edu.pk/library>.

(۲۷) حوالہ اقتباس برائے انٹرنیٹ، اخبار:

شاہد ہارون، "حسب حال" نوائے وقت، ۲۵ ستمبر ۲۰۰۹ء، گورنمنٹ کالج لائبریری، ۲۶ ستمبر ۲۰۰۹ء، ماخذ <http://www.gcu.edu.pk/library>

Citation for Online Newspaper:

Rehman, Mir Jamil. "A Sensational week." The News 23 Sep. 2009 GCU Library. 26 Sep 2009. <http://www.geu.edu.pk/library>.

(28) For Common Websites:

GCU Library. Personal Collections. 15 Sep. 2009. http://www.gcu.pk/library/pcolletions-htm#personal % 20 Collection:

CD Rom:

"Marriage." Encyclopedia Judaica. CD-Rom. Vers. 1.O. Jerusalem: Judaica Multimedia. 1997.

(۲۹) انٹرنیٹ انسائیکلوپیڈیا سے ماخوذ مقالہ جات:

ارشاد احمد، "اسلام اور حقیقت" ۱۵ جولائی ۲۰۰۵ء، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۲۰۰۵ء، ماخذ <http://www.worldbookonline.com/or

Articles from an Online Encyclopedia:

Carfruny, Alan W. "East India Company, " 29 January 2009. World Book Online reference. Centre. 2009. <http://www.worldbookonline.com/or

(۳۰) فلم یا ویڈیو ریکارڈنگ:

مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن آڈیو کیسٹ، لاہور: شہزاد ریکارڈنگ کمپنی، ۲۰۰۹ء

Film or Video Recording:

Annie Hall. Dir. Woody Allen 1977. Vidocassette.

MGM/UA. Home Video. 1991. Sound recording: Counting Crows. August and Every thing after. DGC. 1993.`

(۳۱) ٹیلی ویژن پروگرام:

"حسب حال"، دنیا ٹی وی، ۲۲ ستمبر ۲۰۰۹ء

Television Program:

"Tazi Mandi". GEO TV. 25 October, 1999.

(۳۲) ٹیلی ویژن اشتہار:

زونگ، اشتہار، ایکسپریس ٹی وی، ۱۴/اگست ۲۰۰۹ء

Television Advertisement:

Nestle. Advertisement PTV. 13 Sep. 2009.

(۳۳) ڈرامے کا حوالہ ایکٹ کے ساتھ:

تاج، امتیاز علی، انارکلی، پہلا ایکٹ، لاہور: دارالاشاعت، ۱۹۶۰ء

A Performance:

Hemlet. by William Shakerpeare. Dir John Gielgud. Perf. Richard Burton. Shubert Theatre, Boston. 4 Mar. 2009.

(۳۴) نمونہ مصوری اور کیمرہ تصوری:

ڈاکٹر خالد آفتاب جھنڈا لہراتے ہوئے تصویر، یونیورسٹی فوٹو گرافر، لاہور: جی سی یو، ۱۴/اگست ۲۰۰۹ء

Painting and Photograph:

Dr. Khalid Aftab in the Postgraduate library. Photograph by Library computer Operator. 27 April 2009.

(۳۵) انٹرویو کی صورت میں:

ذاتی انٹرویو، خالد آفتاب، ڈاکٹر، وائس چانسلر آفس، لاہور: جی سی یو، ۲؍ستمبر ۲۰۰۹ء

Personal Interview:

Dr. Khalid Aftab. Personal Interview. 7 March 2009.

(۳۶) تقریر کی صورت میں:

عبدالوحید، چیف لائبریری، تعارف جی سی یو ڈیجیٹل لائبریری، لاہور: جی سی یو، لائبریری، ۷؍مارچ ۲۰۰۶ء

Speach:

Waheeh . Abdul. "Introduction to GCU digital library." Lahore: GCU library. 7 March 2006.

(۳۷) صوتی ریکارڈنگ:

نصرت فتح علی خان، قوالی، لاہور: رحمت کیسٹ ہاؤس، ۲۰۰۹ء

Sound Recording:

Nusrat Fata Ali Khan. Qawali. Lahore: Rehmat Cassette House, 2009.

(۳۸) ای میل کی صورت میں:

خالد پرویز، ڈاکٹر، "اردو کتابیات"، ای میل، عبدالوحید، ۱۵؍ستمبر ۲۰۰۹ء

Email:

Khalid Pervaiz. Dr. "Bibliographical citation Workshop". Email to Abdul Waheed. 22 Sep 2009.

(۳۹) قلمی نسخہ یا ٹائپ شدہ مخطوطہ:

قرآن پاک کا قدیم نسخہ مخطوطہ، ۳۸، لاہور: گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لائبریری، حوالہ نمبر ۸

A Manuscript or Typescript:

Chaucer. Geoffrey. The Canterbury tales. Harley ms. 7334. British Lib. London.

(۴۰) کتاب کا حوالہ باب کے ساتھ:

کیفی، پنڈت برجموہن، کیفیہ، طبع چہارم، تیسرا باب، لاہور: تاج بکڈپو، ۱۹۵۲ء

(۴۱) رسالے میں مطبوعہ مضمون کی صورت میں:

ہاشمی، نصیرالدین، (مقالہ)، دکنی مرہٹوں کا ایک نایاب مجموعہ، مشمولہ "نوائے ادب"، بمبئی، جلد ۱۰، شمارہ ۶، ۱۹۵۹ء

Magazine Article:

Dybas, Chaeryl Lyn. "Requiem for the Chesapeak." Wildlife Conservation. Mar. 2005: 26-31

(۴۲) مضمون نگار کی صورت میں:

نسیم، ڈاکٹر الف۔ د، خواجہ میر درد کا خاندان، مشمولہ، خواجہ میر درد، مرتبہ: ثاقب صدیقی و انیس احمد، دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۷۹ء

(۴۳) رپورٹ کی صورت میں:

وزارت تعلیم حکومت پنجاب، نصاب اردو، اسلام آباد: قومی ادارہ نصاب و درسی کتب، ۱۹۷۵ء

(۴۴) روداد کی صورت میں:

روداد انجمن حمایت اسلام، لاہور: جلسہ پندرھواں منعقدہ فروری ۱۹۰۳ء

(۴۵) غیر مطبوعہ مقالہ:

تبسم کاشمیری، غلام ہمدانی مصحفی، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی اردو، لاہور:

جامعہ پنجاب، ۱۹۷۳ء

Unpublished Thesis or Dissertation:

Best, John W. An Analysis of certain selected factors Underlying the choice of teaching as a profession, Unpulished Doctoral Dissertation, University of Wasconsin, Madison, 1948.

(۴۶) مضامین اخبار میں:

صدیق اعوان، پروفیسر، دو روزہ انٹرنیشنل کانفرنس، ''روزنامہ جنگ''، لاہور: ۴ اپریل ۱۹۸۷ء، صفحہ ۳، کالم ۷۔۸

Newspaper artical:

Morse Gordon C. "Blather won't Bring Back the Bay." washington Post. 13 July 2003. B8.

(۴۷) سرکاری اعلامیہ:

نوٹیفکیشن، پنجاب گورنمنٹ گزٹ III، ۱۸۹۲ء

Government Publication:

United States. Dept. of State. U.S.climate Action Report. 2002: Third National Communication of the United States of America Under the United Nations Framework Convention on climate change. Washington: GPO, 2002.

☆☆☆☆

حواشی

۱۔ گیان چند، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۲۰۰۲ء، ص: ۳۱۸

۲۔ عبدالرزاق قریشی، ڈاکٹر، مبادیات تحقیق، لاہور: خان بک کمپنی، س ن، ص: ۶۵
۳۔ صدیق جاوید، ڈاکٹر، ناطقہ سر بگریباں.....، فیصل آباد: مشال پبلشرز، ۲۰۰۴ء، س: ۶۴۔۶۵

نوٹ: فہرست کتابیات کی اطلاقی امثال کے اندراج کے سلسلہ میں:
(۱) ماڈرن لینگویجز ایسوسی ایشن اور جی سی یو، ریسرچ مینوئل سے مدد لی گئی۔
(۲) جی سی یونیورسٹی، لاہور کے چیف لائبریرین جناب عبدالوحید، ثمرین لطیف اور عابد اقبال عابد لائبریرین نے بھرپور تعاون کیا۔

☆☆☆☆

وسائلِ تحقیق:

۱۔ لغت
۲۔ انسائیکلوپیڈیا
۳۔ فرہنگ
۴۔ کتب خانے
۵۔ رسائل و جرائد
۶۔ تحقیقی ادارے
۷۔ تاریخیں
۸۔ مخطوطات
۹۔ مکتوبات
۱۰ مسکوکات
۱۱۔ ملفوظات
۱۲۔ تذکرے
۱۳۔ کتبے
۱۴۔ یادداشتیں
۱۵۔ ملاقات (انٹرویو)
۱۶۔ سوال نامہ (مراسلت کے ذریعہ استفسار)
۱۷۔ سمعی و بصری معاونت
۱۸۔ تصویری ریکارڈ
۱۹۔ دستاویزات
۲۰۔ وضاحتی فہارس
۲۱۔ ذاتی ڈائریاں
۲۲۔ سرکاری ریکارڈ
۲۳۔ غیر مجلّہ مطبوعہ کتابچہ (پمفلٹ)
۲۴۔ کمپیوٹر
۲۵۔ انٹرنیٹ
۲۶۔ تاریخ گوئی

۱۔ لغت:

لغت عام طور پر لفظوں کے معنی دریافت کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ لیکن لغات کو مرتب کرنے والے بعض محققین نے الفاظ کے معنی لکھتے ہوئے، بعض اساتذہ کے بے شمار اشعار بطور سند کے نقل کیے ہوتے ہیں۔ یوں ان اساتذہ کا کچھ نہ کچھ اہم اور نایاب کلام ان لغات میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ جو کسی دوسرے ذرائع سے دستیاب نہیں ہو سکتا، اس لیے لغات کا ادبی تحقیق میں بطور ماخذ بہت اہم مقام ہے۔

تحقیق کار زبان کے درست استعمال کے لیے لغات سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ روزمرہ، محاورہ، لفظی ترکیب اور دیگر لسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے لغات سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

۲۔ انسائیکلوپیڈیا:

انسائیکلوپیڈیا انگریزی کا لفظ ہے۔ اردو میں اسے مخزن علوم، یا قاموس العلوم کہتے ہیں۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہوتی ہے جس کو بلند پایہ عالم و محقق پیش کردہ معلومات کو حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کرتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، وکی پیڈیا، دائرۃ المعارف وغیرہ اہم ہیں۔ تحقیق کار کے لیے ان سے استفادہ ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس کے لیے ان میں تاریخی، جغرافیائی، سوانحی، سیاسی، سائنسی، مذہبی اور عمومی معلومات کا بے پناہ ذخیرہ موجود ہوتا ہے۔

۳۔ فرہنگ:

فرہنگ کے ذریعے کسی تخلیقی متن میں شامل مشکل الفاظ، محاورات اور اصطلاحات کی تفہیم یا تشریح کی جاتی ہے۔ اگر متن میں کوئی لفظ یا محاورہ، روزمرہ کے استعمال کے خلاف آئے تو اسے بھی آسان اور قابل فہم بنا کر فرہنگ میں شامل کیا جاتا ہے۔ لفظ یا الفاظ کے مفہوم یا معنی اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ایسی صورت میں ان کے درمیان میں ''کوما'' کا استعمال کیا جاتا ہے۔

کلاسیکل تخلیقی ادب کے آخر میں تو فرہنگ دینا انتہائی ضروری ہے۔ مثلاً کلاسیکل نثری اور منظوم داستانوں میں کسی چیز کا ذکر ایک سے زیادہ اقسام میں کیا جاتا تھا۔ اسی طرح داستانوں اور مثنویوں میں اصطلاحی الفاظ کثرت سے موجود ہوتے تھے۔ وہ الفاظ جن کا استعمال کم ہو یا متروک شدہ ہوں، ان کا استعمال بھی ملتا ہے۔ غیر مانوس محاورے اور ضرب الامثال (کہاوتیں) بھی پائی جاتی ہیں۔ عربی فقرے، آیات، جملے اور اشعار کے مصرعے وغیرہ بھی ملتے ہیں جن کا مفہوم فرہنگ کے ذریعے دیا جانا ضروری ہوتا ہے۔

فرہنگ کو ترتیب دیتے ہوئے تحقیق کار کو تمام مشکل الفاظ کو شامل کرنا چاہیے۔ لفظوں کا تلفظ وہی ہو جو متن میں استعمال ہوا ہے۔ تلفظ کی تجدید کر کے حال کے مطابق نہ کیا جائے، فرہنگ میں لفظ یا الفاظ کے وہی معنی دیے جائیں جو تخلیقی متن میں مراد لیے گئے ہوں، ان کے علاوہ دوسرے مطالب نہ لیے جائیں۔

فرہنگ تمام تر الفاظ یا لغات کے لیے نہیں بلکہ صرف ایک متن سے متعلق ہوتے ہیں لہٰذا اس کے معنی صحیح صحیح دیے جائیں یہ نہیں ہونا چاہیے کہ متن کے سیاق و سباق کو مدنظر رکھ کر اندازے سے ان کی فرہنگ لکھ دی جائے۔

اردو محاوروں کی فرہنگ، ادبی اصطلاحوں کی فرہنگ اور ادب میں مستعمل علمی اصطلاحوں کی فرہنگ دینا حالانکہ اردو لغات کی ذمہ داری ہے کیونکہ لغت میں کافی محاورے، اصطلاحیں پہلے ہی جگہ پا چکی ہوتی ہیں پھر بھی ان کے لیے الگ سے لغات تیار کی جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لغات میں صرف مفرد الفاظ یا دو لفظوں کے مرکبات کو ہی شامل کیا جاتا ہے۔ جبکہ محاورے، اصطلاحیں، ضرب الامثال وغیرہ طویل جملوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ مقالے میں فرہنگ حاشیہ میں بھی دی جاتی ہیں اور مقالے کے آخر میں بھی ترتیب سے شامل کی جاسکتی ہیں۔

۴۔ کتب خانے:

کتب خانہ یا لائبریری کسی مہذب معاشرے کی پہچان ہوتی ہے۔ لائبریری کا

لفظ لبرا "Libra" سے مشتق ہے۔ لبرا لاطینی زبان کا لفظ ہے۔ لائبریری یا کتب خانے کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ "وہ جگہ جہاں مطالعہ و حوالہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے علمی و ادبی مواد کو منظم طریقے سے جمع و محفوظ کیا گیا ہو"۔

کتب خانے کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ قلمی نسخوں، نادر مخطوطوں، مطبوعہ تحریروں اور غیر مطبوعہ علمی و ادبی مواد کے علاوہ کتب خانے ہر طرح کی کتب کی فراہمی کا مرکز ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سمعی و بصری مواد بھی دستیاب ہوتا ہے۔ پاکستان کے اہم کتب خانوں میں، قائداعظم لائبریری لاہور، پنجاب پبلک لائبریری لاہور، دیال سنگھ لائبریری لاہور، پنجاب یونیورسٹی لاہور، جی سی یونیورسٹی لاہور، کراچی یونیورسٹی لائبریری، سنٹرل لائبریری بہاولپور وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

۵۔ رسائل و جرائد:

[رسائل] دستاویزی تحقیق میں ہفتہ وار، پندرہ روزہ، ماہنامے، دو ماہی، سہ ماہی، ششماہی اور سالنامے وغیرہ تمام رسائل حوالہ جاتی مواد کے زمرے میں آتے ہیں۔ ادبی تحقیق میں بھی رسائل کی بہت اہمیت ہے کیونکہ موجودہ دور میں تحریریں بالعموم پہلے رسائل میں ہی شائع ہوتی ہیں۔ ان میں مختلف ادیبوں اور شاعروں کا کلام بھی محفوظ ہوتا ہے۔ رسائل میں مصنفین کی بیشتر تحریریں ایسی ہوتی ہیں جو ان کی کتابوں میں شامل نہیں ہوتیں۔ ان رسائل کی مدد سے ہی ادیبوں اور شاعروں کی غیر مدون تحریروں کو کتابی صورت میں شائع کیا جاتا ہے۔ ان کی اہمیت اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے اور ان سے بھی محقق اپنے مقالے کے موضوع سے متعلقہ مواد حاصل کرتا ہے۔

[اخبارات] اخبارات یعنی "روزنامے" واقعات اور حقائق کو محفوظ کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ اخباری اطلاعات رپورٹر حاصل کرتے ہیں۔ وہ واقعات و حقائق کو غلط بھی درج کرسکتے ہیں یا رپورٹر کسی مصلحت کی وجہ سے محض ایک خاص حصہ ہی نمایاں کرتا ہے لیکن اس کے باوجود محتاط تجزیہ کر لینے سے اخبارات بھی اہم مآخذ بن سکتے ہیں۔ بعض صورتوں میں

جب اصل ریکارڈ زیک رسائی حاصل نہ ہو سکے تو اخبارات ہی معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

اخبارات کسی ملک کی روزمرہ اور سماجی صورت حال پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان کے پرانے شمارے اور جلدیں قارئین اور تحقیق کاروں کے استفسار کی بڑی حد تک تسلی بخش جواب ہوتے ہیں۔

۶۔ تحقیقی ادارے:

موجودہ دور میں تحقیقی کاموں کا زیادہ تر انحصار یونیورسٹیوں پر ہے۔ جہاں پر طلبا و طالبات اور اساتذہ کی مشترکہ کاوشوں سے یہ ادارے زبان و ادب کے مراکز کی حیثیت اختیار کیے ہوئے ہیں۔

بی اے آنرز، ایم اے، ایم فل اور پی۔ ایچ ڈی کی سطح پر ہر سال بے شمار طلبا و طالبات اپنے نگران اساتذہ کی مدد سے تحقیقی مقالے تحریر کرتے ہیں اور وہ شائع بھی ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ چند ایسے نامور تحقیقی ادارے بھی موجود ہیں جو اپنے اپنے طور پر تحقیقی کاوشوں اور ادبی نگارشات کو شائع کرتے ہیں۔ ان میں انجمن ترقی اردو، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، مجلس ترقی ادب، دارالترجمہ جامع عثمانیہ، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان اردو اکیڈمی وغیرہ سرفہرست ہیں، نو آموز محقق یا تحقیق کار ان کی شائع کردہ کتب سے بھی اپنی تحقیق کے لیے مواد حاصل کر سکتے ہیں۔

۷۔ تاریخیں:

ہر ملک و قوم کی طرح زبان و ادب کی بھی تاریخیں لکھی گئیں۔ جو اس کے آغاز و ارتقا کا علم فراہم کرتی ہے۔ یہ اطلاقی تحقیق کا سب سے اہم جزو ہے اور ہر دور میں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ تحقیق کار جب تحقیقی میدان میں اُترتا ہے تو جہاں تک دوسرے مآخذات اس کی مدد کرتے ہیں ادبی تاریخیں بھی تحقیق کار کے لیے اہم اور مستند حوالہ بنتی ہیں۔

ادبی تاریخوں کا اہم مقصد ماضی کی بازیافت ہوتا ہے یہ گزرے ہوئے زمانوں کو

زندہ و جاوید کرتی ہیں۔ تاریخ نویس تاریخی حقائق، واقعات اور جمع شدہ مواد کا تجزیہ کر کے ایک واضح نقطہ نظر اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنی تاریخ کی تشکیل اپنی ذہنی بصیرت کی استعداد کے مطابق کرتا ہے۔ جس وجہ سے تاریخ کے خاموش، گم نام اور تاریک گوشے تحقیق کار کی نظروں کے سامنے ہوتے ہیں۔ جو اس کی تحقیق میں مدد و معاون بنتے ہیں۔

تحقیق کار اپنی تحقیق میں محمد حسین آزاد، رام بابو سکسینہ، حامد حسن قادری، ڈاکٹر اعجاز حسین، ڈاکٹر محمد صادق، ڈاکٹر عبدالقیوم، ڈاکٹر جمیل احمد جالبی، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر حسن اختر ملک، ڈاکٹر گیان چند اور ڈاکٹر تبسم کاشمیری وغیرہ کی تحریر کردہ ''اردو ادب کی تاریخ'' کو اپنے لیے راہنما بناتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی شائع کردہ ''تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند'' کی پانچ جلدیں بھی ان کی تحریر کی تشنگی مٹانے کے لیے خاص ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

۸۔ مخطوطات:

مخطوطات اہم اور معتبر بنیادی اہمیت اور حیثیت کے حامل مآخذ ہیں۔ یہ تحریریں کبھی تو مصنف کے ہاتھ سے لکھی ملتی ہیں اور کبھی نقل در نقل کے عمل سے گزر کر قاری کے ذوقِ مطالعہ کو پورا کرتی ہیں۔ مخطوطات کو تین درجات میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ جس کی اس نے اصلاح کی ہو اور اس پر اپنے دستخط بھی ثبت کیے ہوں۔ (ایسے نسخے سب سے زیادہ مستند سمجھے جاتے ہیں۔)

۲۔ مصنف کی زندگی کے بعد کے نسخے جو اس کے نسخے یا نسخوں سے نقل کیے گئے ہوں۔ (تدوین متن میں یہ مخطوطہ بھی مددگار ثابت ہوتا ہے۔)

۳۔ بالائی دونوں قسم کے نسخوں کی نقلوں کی نقلیں۔ (اس میں غلطیوں کے احکامات بہت بڑھ جاتے ہیں لہٰذا اس پر انحصار، تحقیق کے لیے مشکلات کا باعث بنتا ہے۔

مخطوطے کی کلیدی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ ان کو مصنف خود لکھتا ہے یا اپنے روبرو لکھواتا ہے۔ یہ قلمی (نسخے) ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے تدوین متن کے لیے ایک معتبر اور مستند حوالہ بن جاتے ہیں۔

۹۔ مکتوبات:

ادبا کے خطوط بنیادی مآخذات کا ایک خاص ذریعہ ہیں۔ مکتوبات، مکتوب کی جمع ہے عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں، لکھا ہوا، خط، نامہ، چھٹی۔

مشاہیر کے خطوط نہ صرف ان کی اپنی ذات کے کئی پوشیدہ پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہیں بلکہ ان کے دور کے بہت سے سیاسی و معاشرتی تاریک گوشوں پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔

مکاتیب کے مطالعہ سے مکتوب نگار کی علمی استعداد اور افکار و نظریات کا علم ہوتا ہے۔ بہت سی تاریخی شہادتیں فراہم ہوتی ہیں۔ جس زمانے میں خط لکھا جاتا ہے اس زمانے کی زبان و ادب اور اسلوب کا اندازہ ہوتا ہے۔ خصوصی طور پر مکتوب نگار کی ذاتی بصیرت و دانش اور علمی استعداد کا پتا چلتا ہے۔ مکاتیب تحقیق کار کو تحقیقی میدان میں بے حد مدد مہیا کرتے ہیں۔

۱۰۔ مسکوکات:

سکوں کو مسکوکات کہتے ہیں۔ سکہ ایک دھاتی ٹکڑا ہوتا ہے جس پر ٹھپے کی شکل میں کچھ نہ کچھ نقش ہوتا ہے۔ اس کو کوئی بااختیار ادارہ لین دین کے حصول کے لیے جاری کرتا ہے۔ تحقیقی میدان میں سکے بھی ایک مستقل علم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سکوں کا مطالعہ کئی لحاظ سے افادیت کا حامل ہے۔ یہ کسی دور کی معاشی صورت حال کا پتا دیتے ہیں۔ ان پر کندہ تاریخ و مقام سے کسی حکومت یا سلطنت کی زمانی و مکانی حدود کا واضح ثبوت میسر آتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو کسی حکمران یا خاندان کے وجود کا علم بھی انکے دور حکومت میں جاری کردہ سکوں کی مدد سے ہوتا ہے۔ کسی دور کے فنون لطیفہ کے معیار پر بھی روشنی انکے مطالعہ سے پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف ادوار کے اساطیری، مذہبی، اخلاقی، سماجی اور علمی رجحانات کا اندازہ لگانے میں بھی مدد ملتی ہے۔ سکوں پر اہم تعمیرات اور مجسموں کی شبیہیں بھی ملتی ہیں۔ مسکوکات ادبی تحقیق میں تحقیق کار کے لیے اہم مآخذ کا باعث بنتے ہیں۔

۱۱۔ ملفوظات:

ملفوظات، ملفوظ کی جمع ہے۔ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی "منہ سے بولی ہوئی بات" کے ہیں۔ یعنی وہ کتاب جس میں کسی بزرگ کے حالات ان کی زبانی لکھے گئے ہوں۔

صوفیا کرام، بزرگان دین اور اولیائے کرام کے ارشادات و فرمودات اور اقوال کو "ملفوظات" کہتے ہیں۔ اصل میں یہ بزرگان دین اور صوفیا کرام کی وہ تقاریر، گفتگو یا بیانات ہوتے ہیں جو وہ اپنے معتقدین اور مریدوں کی مجلسوں میں کرتے ہیں۔ ان بیانات یا گفتگو کو سعادت مند مرید اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے مرتب کرتے ہیں تاکہ وہ ان بزرگوں کی عالمانہ اور اخلاقی گفتگو سے استفادہ کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان ملفوظات کی زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہوتی ہے۔ ان سے کسی عہد کے لوگوں کے مزاج ان کی نفسیات اور بزرگان دین کے افکار و نظریات کا پتا چلتا ہے۔

ان کے مطالعہ سے کسی عہد کی سچی تصویریں، اس کی معاشرت، سیاست اور تہذیب و ثقافت کا علم ہوتا ہے۔ یہ حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان سے الفاظ کی شکل و صورت، املا اور زبان وغیرہ کا بھی پتا چلتا ہے۔ تحقیقی کاموں میں ملفوظاتی ادب کی اہمیت و ضرورت کو بڑی حد تک تسلیم کیا جاتا ہے۔

۱۲۔ تذکرے:

"تذکرہ" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی یاد کرنا، ذکر، سرگذشت، خیال لانے اور یادگار کے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں تذکرے سے مراد ایسی کتاب ہے جس میں اہم شعرا کے حالات و سوانح اور اُن کے منتخب اشعار کے نمونے، اہم معلومات کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں۔ اردو تذکرے فارسی تذکروں کی تقلید میں تحریر ہوئے۔ ادبی تاریخ نویسی کے لیے تذکرہ ایک اہم مآخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اردو شعرا کے تذکروں سے قبل جو چیز شعرا کے بارے میں کسی حد تک معلومات فراہم کرتی تھی، وہ بیاض تھی۔ بیاض کی ترقی یافتہ شکل، تذکرے کی صورت میں اردو ادب میں شامل ہوئی۔ بیاض نویسی قدیم زمانے میں ایک عام شغل تھا۔ جو لوگ عمدہ تذکرے تحریر نہیں کر سکتے تھے وہ اپنے ذوق کی تسکین کے لیے بیاضِ اشعار کو ترتیب دے لیتے تھے۔ جس میں اپنی پسند کے اشعار اور غزلیں، شعرا کے نام اور مختصر حالات زندگی جمع کرتے تھے۔ بیاض میں ان چیزوں کو شامل کرنے کے لیے کسی خاص ترتیب کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔

تذکروں کی ایک قسم بزرگان دین کے حالات زندگی، تبلیغ علم کے لیے ان کی کاوشیں اور ان کے ارشادات کے مجموعے کی بھی ہے۔ تذکروں میں نہ صرف شعرا، ادبا علمی اور روحانی شخصیت کے حالات زندگی اور کارناموں پر روشنی ڈالی جاتی ہے بلکہ ان سے متعلقہ دور کی معاشرت سیاست، ثقافت، تہذیب وتمدن اور روزمرہ زندگی کے علاوہ ادبی رجحانات، رویے اور لوگوں کے مزاج کے متعلق بھی معلومات کا ذخیرہ جمع ہوتا ہے۔ تذکرے شخصیات کو زندہ جاوید بنانے کے ساتھ ساتھ انکی تاریخ میں حیثیت و مرتبے اور مقام کا تعین بھی کرتے ہیں۔

موجودہ دور میں تذکرے کی اہمیت تسلیم شدہ ہے۔ اعلیٰ ادبی تحقیقی وتنقیدی رجحان رکھنے والا محقق اس کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ ذیل میں تذکرے کی اہمیت و افادیت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

۱۔ تذکرہ قدیم شعرا کے حالات زندگی اور افکار و خیالات جاننے کے لیے اہم ماخذ ہے۔

۲۔ تذکرہ میں کسی خاص عہد کے اُمرا، روسا اور اعلیٰ حکومتی عہدیداروں کے متعلق معلومات درج ہوتی ہیں۔

۳۔ تذکرہ کسی خاص دور کے سیاسی، سماجی اور ثقافتی حالات کے متعلق معلومات فراہم کرتا ہے۔

۴۔ تذکروں میں شعرا کے کلام کے نمونے اور بزرگان دین، صوفیائے کرام اور دیگر

شخصیات کے حالات وفن کے بارے میں ذکر ملتا ہے۔

۵۔ تذکرے دو قسموں کے ہوتے ہیں۔ عمومی اور خصوصی، تذکرہ عمومی میں کسی خاص عہد کی قید نہیں ہوتی جبکہ تذکرہ خصوصی میں کسی خاص عہد کے شعرا، بزرگان دین کے حالات اور کارنامے درج ہوتے ہیں۔

۶۔ تذکرہ کسی عہد کی تہذیب وثقافت اور اس کی زبان کے متعلق معلومات فراہم کرتا ہے۔

تذکرے میں پہلے مقدمہ (دیباچہ، پیش لفظ، ابتدائیہ) پھر اصل متن اور آخر میں اختتام ہوتا ہے۔ یہ تینوں اجزائے ترکیبی تذکرے کی بنیاد کو استوار کرتے ہیں۔ تذکرے کے مقدمے میں مصنف تذکرہ تصنیف کرنے کی غرض وغایت بیان کرتا ہے، پھر اصل متن میں شعرا کے حالات اور منتخب کلام کے نمونے اور ان کے عہد کے سیاسی، سماجی، معاشی، ثقافتی اور علمی وادبی صورت حال کا ذکر ہوتا ہے۔ اصل متن کے بعد تذکرے کا اختتام ہوتا ہے۔ اختتامہ میں مصنف ان تمام باتوں کی وضاحت کرتا ہے۔ جو اصل تذکرہ کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔

۱۳۔ کتبے:

کتبے کو اب عام طور پر کتبہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ لفظ ''کتابہ'' سے بنا ہے یعنی وہ عبارت جو لوح قبر یا مسجد پر کندہ کر کے لگائی جاتی ہے۔ اسے یوں بھی کہا جاتا ہے کہ وہ نظم و نثر جو کسی کی تعریف میں بطور تاریخ پیشِ طاق پر لکھتے ہیں۔

ادبی تحقیق میں ان کی اہمیت یوں بنتی ہے کہ مقبروں، سادہ قبروں، گنبدوں، دروازوں اور دیواروں پر نصب لوحوں اور نقوش سے بہت مفید باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اردو ادب کے کئی ادیبوں کی قبروں پر نصب لوحوں سے ان کی صحیح تاریخ وفات کا علم ہو جاتا ہے کیونکہ انہیں قبر کے تیار ہونے کے فوراً بعد نصب کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ عام حالات میں غلط نہیں ہو سکتی، اس لیے ان کتبوں کو بالعموم معتبر بھی سمجھا جاتا ہے۔

۱۴۔ یادداشتیں:

عمومی طور پر یادداشت کے معنی ''حافظہ'' اور ''یاد رکھنے کا نشان'' کے لیے جاتے ہیں۔ یادداشتیں ان ریکارڈز کو بھی کہا جاتا ہے جن کی بنیاد ان واقعات کی یادداشت یا رپورٹ ہو جو کسی مصنف کی زندگی، اس کے مشاہدات یا اس کے متعلق کوئی خاص اطلاع ہو۔ الفاظ دیگر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یادداشتوں سے کسی مصنف کی زندگی کے بارے میں حتمی معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

یادداشتوں کا تعلق زیادہ تر مخطوطوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ مخطوطے کے سرورق یا حاشیوں میں خود مصنف یا اس مخطوطے کا کوئی بھی قاری متن سے متعلق اپنے تاثرات یا چند دوسری معلومات درج کر دیتا ہے۔

متن کے آخر میں خالی صفحہ پر یا جلد بندی کرتے وقت جلد ساز کتاب کے آخر میں چند زائد صفحات لگا دیتا ہے۔ ان پر قاری اپنی اہم یادداشتیں تحریر کر لیتا ہے۔ کیونکہ کتاب کے آخری صفحات کے گم ہونے کا خدشہ نہیں رہتا لہٰذا وہ اہم اور مفید یادداشتیں ان صفحات میں محفوظ رہتی ہیں۔

یادداشتوں کو محفوظ کرنے کے لیے کئی طریقے اور اقسام ہیں۔ مثلاً مخطوطے کے اختتام پر اور کبھی کبھار مخطوطہ کے سرورق پر بھی مخطوطے کا مالک اپنی ملکیت ظاہر کرنے کے لیے ایک لفظ ''مالکہ'' (یعنی اس کا مالک) لکھتا ہے اور بعد میں اپنا نام لکھ دیتا ہے۔ اگر مخطوطے کا کاتب اپنے لیے مخطوطہ نقل کرتا ہے تو وہ ترقیمے (ترقیمہ: وہ لفظ یا الفاظ یا منثور یا منظوم عبارت ترقیمہ کہلاتی ہے جو مخطوطے کا نقل نویس متن کے اختتام پر لکھتا ہے اس میں اس کاتب کا نام اور تاریخ نقل بھی شامل ہوتی ہے۔) میں اس کی اطلاع ان الفاظ میں فراہم کرتا ہے۔ ''کاتبہ و مالک'' (مالک کا نام) پھر کبھی کبھی سرورق پر مالک مخطوطہ ''مالکہ بالرقم'' لکھ کر بھی اپنی ملکیت کا اعلان کرتا ہے۔

لائبریریوں میں ایسے مخطوطے خاصی تعداد میں موجود ہیں جن پر انہیں فروخت یا

خریدنے والے کا نام بطور یادداشت درج ہے۔ تحقیقی کار میں ان یادداشوں سے تاریخ کے بعض اہم واقعات اور افراد کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ماضی کی تاریخ کے بعض اہم تاریک پہلوؤں کا بھی انکشاف ہوتا ہے۔

تحقیق کار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تحقیق میں ان یادداشتوں کی اہمیت کا اندازہ لگاتے ہوئے اگر کسی مخطوطے پر کسی مصنف یا دیگر افراد کی تحریر کردہ یادداشت موجود ہے تو اس کی صرف نشاندہی ہی نہ کرے بلکہ ان یادداشتوں کے پس منظر کا تجزیہ کر کے انہیں اپنی تحقیق کا حصہ بنائے۔

۱۵۔ ملاقات (انٹرویو):

انٹرویو مآخذات کو اکٹھا کرنے کا ایک زبانی طریقہ کار ہے۔ کسی شخصیت کے خیالات، افکار و نظریات کو سمجھنے کے لیے انٹرویو ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے موثر طور پر ساری اطلاعات و تفصیلات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

انٹرویو کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ مفروضات کو ثابت کرے۔ اس لیے انٹرویو مواد کو جمع کرنے کا ایک موثر ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ ذاتی انٹرویو سے کسی فرد کے ماحول اور اس کی زندگی کی تہہ تک پہنچا جاتا ہے، یوں تحقیق میں مبالغے کا عنصر شامل نہیں ہوتا۔

۱۶۔ سوال نامہ (مراسلت کے ذریعہ استفسار):

سوال نامہ بھی تحقیق میں اہم مآخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ سوال نامہ میں بہت سے سوالات ہوتے ہیں جو ٹائپ، کمپوز یا ہاتھ سے لکھے جاتے ہیں۔ یہ ڈاک کے ذریعہ مختلف افراد یا کسی ایک فرد کو ارسال کیا جاتا ہے اور اس سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ ان کا مطالعہ کریں اور جواب ارسال کرنے کی زحمت فرمائیں۔

تحقیق کے اس طریقہ کار کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مواد بہت سے ذرائع سے جمع ہو جاتا ہے۔ اور مختلف طبقہ کے افراد سے جو اپنے مزاج، طبیعت، علم اور مصروفیت کی وجہ

سے مل نہیں سکتے یوں تحقیق کار سے رابطہ میں آجاتے ہیں۔

سوال ناموں کی زبان آسان اور عام فہم ہونی چاہیے۔ سوال نامہ اپنی ہیئت، سائز اور طباعت کے اعتبار سے خوش نما ہونا چاہیے۔ جب تحقیق کار کو اس سلسلے میں اچھا خاصہ مواد میسر آجاتا ہے تو اس کا تجزیہ کرنے کے بعد اسے اپنے تحقیقی مقالے کا حصہ بنا سکتا ہے۔

۱۷۔ سمعی و بصری معاونت:

ادبی تحقیق میں سمعی و بصری مواد کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ان کی افادیت اور استعمال کی شدت دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آنے والے دور میں انسانی، تہذیبی اور ثقافتی خزانوں کو بہتر طور پر محفوظ کرنے کے لیے سمعی و بصری مواد ایک اہم کردار ادا کرے گا۔

وہ تمام مواد جو آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا جا سکے، سمعی و بصری مواد کہلاتا ہے۔ سمعی مواد میں ریڈیو، گراموفون، ریکارڈ، کیسٹ ٹیپ، ریڈیو پر ادبی تقریروں اور مباحثوں کے ٹیپ، موسیقی کی دھنوں کو شمار کیا جاتا ہے۔ بصری مواد میں فلم، فوٹو البم، ٹیلی ویژن، متحرک فلمیں، مائیکرو فلمیں، ڈرائنگ کے نمونے، سکے اور مجسموں کو شامل کیا جاتا ہے۔

ویڈیو، آڈیو ٹیپ پر بزرگ شخصیتوں کی تقاریر اور تبصرے تحقیق کرنے والے افراد کے لیے ان کی تحقیق میں ثانوی حوالہ جاتی مواد کی حیثیت سے بہت معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح مائیکرو فلم کے ذریعے نہ صرف بھاری بھرکم کاغذی مواد سے، جس کے لیے وسیع جگہ اور دیکھ بھال کے لیے ایک بڑے عملے کی ضرورت پڑتی ہے، نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض ایسے نازک اور حساس قیمتی کاغذات کی عکسی فلم تیار کر کے اس ریکارڈ کو برس ہا برس تک محفوظ کر لیتے ہیں۔ ٹیپ اور مائیکرو فلم کے ذریعے بھی اہم دستاویزات کو قارئین اور شائقین مطالعہ تک پہنچانے میں سمعی و بصری مواد نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

ادبی تحقیق میں ٹیپ، ویڈیو ٹیپ کے علاوہ گراموفون ریکارڈ سلائیڈ، فلم سٹرپ (Film Strip)، فوٹو گراف، متحرک فلم (Motion Film)، ویڈیو ڈسک (Video Disk) اور آپٹیکل ڈیجیٹل ڈسک (OpticalDigital Disk) جیسے ذرائع

(Media) کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے اور انہیں سمعی و بصری (Audio, Visual) مواد قرار دیتے ہوئے مفید مواد کے طور پر محفوظ کیا جا سکتا ہے۔

۱۸۔ تصویری ریکارڈز:

تصویری ریکارڈز میں تصاویر، متحرک فلمیں اور تصویریں، مائیکرو فلمیں، مصوری کے نمونے، ڈرائنگ کے نمونے، سکے اور مجسمے شامل ہوتے ہیں۔

تصاویر کی بھی ادبی تحقیق میں مآخذات کی صورت میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مختلف کتابوں اور رسائل میں شخصیات کی تصاویر ملتی ہیں۔ ان تصویروں کی مدد سے ادیبوں اور بالخصوص قدما کی شخصیت کے تعین میں مدد ملتی ہے۔ ''روزگار فقیر'' میں علامہ اقبالؒ کی بکثرت تصویریں اور گروپ فوٹو ملتے ہیں۔ ان گروپ فوٹو میں شخصیت کے دوستوں، خاندان کے دیگر افراد اور دوسری قریبی شخصیتوں کے بارے میں بہت اہم معلومات ملتی ہیں۔

۱۹۔ دستاویزات:

دستاویزات میں پبلک اور سرکاری دستاویزات آتی ہیں۔ مثلاً سرکاری اور نجی دستاویزات، فرامین، اسناد، شہادت اور تجارت سے متعلق دستاویزات وغیرہ۔

دستاویزات کی اصطلاح اس مخزن کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے جہاں دستاویزات کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ ان کی ترتیب و تنظیم کی جاتی ہے اور ان کو استعمال کیا جاتا ہے۔

آرکائیوز یا دستاویزات اس عمارت کو کہتے ہیں جہاں پر سرکاری اور نیم سرکاری ریکارڈز کو محفوظ کیا گیا ہو یا بذات خود وہ تاریخی مواد جو مورخین کے لیے وہاں محفوظ کیا گیا ہو، یہ بات طے ہے کہ دستاویزاتی مراکز نے معاشرے کی ترقی اور فلاح کے لیے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ان اداروں نے ایک طرف قومی ورثے کی دستاویزات کو محفوظ کرنا شروع کیا تو دوسری جانب مورخین اور شائقین مطالعہ کے لیے دستیاب کیا۔ دستاویزاتی مراکز قومی زندگی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ سفارتی تاریخی اسناد، ہدایات، متحرک فلمیں، خبرنامے، صوتی ریکارڈز اور اخباری تراشے جو عوامی رائے پر مشتمل ہوں انہیں محفوظ کرتے ہیں۔

۲۔ قومی تاریخی وہ ریکارڈز جو جنگی امور سے متعلق ہوتے ہیں۔ مورخین کی مشہور تصانیف اور دفتری ریکارڈ، اخبار اور رسائل وغیرہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

۳۔ اقتصادی تاریخ سے متعلق مزدور تنظیموں، تجارتی، صنعتی ٹرانسپورٹ اور تجارت سے متعلق قوانین وغیرہ کی حفاظت کرتے ہیں۔ دستاویزی مراکز درج بالا مواد کی حفاظت کرتے ہیں لہٰذا ان اداروں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

دستاویزات کی وضاحت کے سلسلے میں مزید یہ کہا جا سکتا ہے کہ آرکائیوز (دستاویزات) وہ ذخیرہ دستاویزات وامسال ہے جو دراصل یونانی لفظ آرکیان (Archeon) سے ماخوذ ہے جس کے معنی وہ جگہ یا عمارت ہے جہاں پر سرکاری، نیم سرکاری یا نجی ذخیرۂ کتب و دستاویزات کو محفوظ کیا گیا ہو اور اس کو بروقت ضرورت مطالعہ کے لیے پیش کیا جا سکتا ہو۔ بعض حضرات کے خیال میں آرکائیوز (دستاویزات) سے مراد وہ جگہ یا عمارت ہے جہاں سرکاری یا نیم سرکاری ریکارڈ یا قیمتی کاغذات ذخیرہ کئے گئے ہوں جبکہ بعض حضرات اس توضیح کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کی رائے میں آرکائیوز سے مراد وہ کاغذات اور سرکاری ریکارڈ میں جو حکومت کے انتظامی معاملات سے متعلق ہوں اور ان پر ہر طرح کی کارروائی مکمل ہو چکی ہو۔

۲۰۔ وضاحتی فہارس:

وضاحتی فہارس محقق کو کتب خانوں اور اداروں کی کتابوں کو حاصل کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ یہ تحقیق کار کے لیے مقالہ تحریر کرنے کے لیے مواد کی فراہمی کا عمل مکمل کرتی ہیں۔ محقق کو کتابوں کے علاوہ مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے مضامین اور مقالات کی فہارس کو بھی دیکھنا ہوگا۔ یہ فہارس تحقیق کار کو تحقیق میں بہت مفید اور مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

۲۱۔ ذاتی ڈائریاں:

کسی مصنف کی سوانح عمری لکھتے وقت اس کی ڈائری بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس میں مصنف کے کردار و اعمال کی صحیح تصویر ملتی ہے اور یہ مصنف کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے۔ ان کے ادبی کارناموں اور عزائم کے بارے میں ضروری معلومات کا ذریعہ بنتی ہیں۔ ڈائری یا ڈائریاں ان شخصیتوں کے عہد کے سیاسی، تہذیبی اور سماجی حالات کا پتا بھی دیتی ہیں۔ یوں یہ مصنف کی زندگی، شخصیت اور عہد کو سمجھنے کے لیے اہم ماخذ قرار پاتی ہیں۔

۲۲۔ سرکاری ریکارڈز:

سرکاری ریکارڈز بھی اہم ماخذات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں قانونی ریکارڈز، انتظامی رپورٹیں، متعلقہ کمیٹیوں کی رپورٹیں، اداروں کی سالانہ رپورٹیں اور روئدادیں وغیرہ شامل ہیں۔ ان دستاویزات کو ماخذات کی حیثیت میں اس لیے اہم سمجھا جاتا ہے کہ ان کو متعلقہ ادارے پوری ذمہ داری اور پوری احتیاط کے ساتھ تیار کرتے ہیں۔ اس لیے ان میں کسی قسم کی غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔

۲۳۔ پمفلٹ (چند اوراق کا غیر مجلد مطبوعہ کتابچہ، مقالہ یا اطلاع نامہ):

پمفلٹ بظاہر تو غیر اہم معلوم ہوتے ہیں مگر بعض تاریخی موقعوں پر شائع کیے گئے پمفلٹ دستاویزی تحقیق میں اہم ماخذ سمجھے جاتے ہیں۔

۲۴۔ کمپیوٹر:

کمپیوٹر کا لفظ لاطینی لفظ Computare سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ کسی دیئے ہوئے ڈیٹا کو کیلکولیٹ کرنا۔ تاہم کمپیوٹر کا لفظ ان معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کہ ایک خاص قسم کی حساب کتاب کرنے والی مشین جو کہ ڈیٹا کو خود بخود دی ہوئی ہدایات کے مطابق پراسیس کرتی ہے اور اسے سٹور کرتی ہے۔

کمپیوٹر ایک اہم تکنیکی اور جدید مشین ہے۔ کمپیوٹر نہ صرف آدمی کی کیلکولیشن کرنے کی صلاحیت کو بڑھاتا ہے بلکہ وہ اس کی اس صلاحیت کو نئی بڑھا دیتا ہے کہ ڈیٹا کو کسی جگہ پر اکٹھا رکھا جاسکے اور ضرورت پڑنے پر کسی میڈیا یعنی واسطے پر منتقل کیا جاسکے۔

کمپیوٹر ٹیکنالوجی نے آج ہر میدان میں اپنا لوہا منوالیا ہے اور ہر طرف انقلابی کیفیت پیدا کردی ہے۔ طباعت و اشاعت کے میدان میں خاصی تبدیلیاں دیکھنے کو ملی ہیں۔ خصوصاً خطاطی کی جگہ کمپوزنگ اور مصوری کی جگہ جس طرح ڈیزائننگ نے لے لی ہے، آج بیشتر کتب کمپیوٹر پر ہی کمپوز کی جاتی ہیں اور بیشتر کتب کے سرورق کمپیوٹر پر ہی ڈیزائن کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے مزید اشاعتی امور آج کمپیوٹر کے بغیر درست سرانجام نہیں دیے جاسکتے، خصوصاً جس طرح ڈیزائننگ، کمپوزنگ اور گرافک نے آج پبلشرز کے لیے کام آسان کیا ہے۔ اس سے پہلے اردو ادب میں کسی مصنف یا شاعر کا کلام اس شعبے کو درپیش مسائل کے سبب سے کافی عرصے تک چھپ نہ سکتا، اور کبھی کاتب تو کبھی عکاس اور کبھی پبلشرز اس کے لیے مسئلہ پیدا کرتے مگر آج کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی وجہ سے یہ مسائل نہیں رہے اور اب حالت یہ ہے کہ بعض مصنفین نے تو خود اپنی تصانیف چھاپنی شروع کردی ہیں۔ تمام کام آج انفارمیشن ٹیکنالوجی کی بدولت باآسانی طے پارہے ہیں جو کل تک مشکل تھے۔ یہ صورت حال تحقیق کار کے لیے بھی کافی مددگار ثابت ہورہی ہے۔

۲۵۔ انٹرنیٹ:

انٹرنیٹ کمپیوٹروں کا ایک ایسا بین الاقوامی جال ہے جو کہ آپس میں ٹیلی فون لائنوں کے ذریعے ایک مخصوص طریقہ کار (TCP/IP) کے تحت جڑے ہوئے ہیں۔ یہ جال لوگوں کو انٹرنیٹ کے کمپیوٹرز کے اندر محفوظ معلومات تک رسائی فراہم کرتا ہے۔

انٹرنیٹ کوئی خاص پروگرام نہیں ہے۔ نہ تو یہ ہارڈ ویئر ہے اور نہ ہی سافٹ ویئر ہے بلکہ درحقیقت یہ کمپیوٹر کا کمپیوٹرز کے ساتھ رابطہ ہے۔ جس کے ذریعے لوگ معلومات لے بھی سکتے ہیں اور آپس میں تبادلہ بھی کرسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر حکومتی دستاویزات،

ادبی وسائنسی تحقیقی، کاروباری پراجیکٹس وغیرہ۔ آپ جن معلومات کا تبادلہ کریں گے اس کو پرائیویٹ بھی کہہ سکتے ہیں اور کمپیوٹر کا پروگرام بھی، انٹرنیٹ کے استعمال کے لیے عمر کی حد مقرر نہیں، اسے ہر عمر کا شخص استعمال کرسکتا ہے ضروری بات یہ ہے کہ اس کو انٹرنیٹ چلانا آتا ہو۔ عام طور پر اسے بچے، طلبا و طالبات، کاروباری افراد، ریسرچرز (Researcher) استعمال کرتے ہیں۔ کمپیوٹروں کے اس عالمی رابطے انٹرنیٹ کو بہت سارے مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ ای۔میل	(۲) نیوز گروپس
۳۔ ورلڈ وائیڈ ویب (WWW)	۴۔ فائل ٹرانسفر پروٹوکول (FTP)
۵۔ انٹرنیٹ ریلے چیٹ (IRC)	۶۔ انٹرنیٹ فون
۷۔ انٹرنیٹ فیکس	۸۔ ویڈیو کانفرنسنگ
۹۔ ویب ای۔میل	

انٹرنیٹ پر مختلف سائٹ ہیں چند ایک سائٹس کی اقسام یہ ہیں:

۱۔ ملٹری یا فوجی اداروں کی ویب سائٹس (mil)

۲۔ گورنمنٹ یا حکومتی اداروں کی ویب سائٹس (gov)

۳۔ تعلیمی اداروں یا یونیورسٹیوں کی ویب سائٹس (edu)

۴۔ فلاحی تنظیموں کی ویب سائٹس (org)

۵۔ کاروباری ویب سائٹس (com)

۶۔ نیٹ ورک رکھنے والی ویب سائٹس (net)

ہر سائٹ کے ساتھ ملک کا کوڈ بھی دیا جاتا ہے مثلاً پاکستان کا کوڈ "پی کے" (pk)

۲۔

اردو زبان کو وسعت دینے میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کا فی زمانہ اہم کردار ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی میں آئے دن ہونے والی ترقی کے سبب سے یہ ممکن ہوگیا ہے کہ کوئی شخص چاہے دنیا کے جس کونے میں موجود ہے انٹرنیٹ کی بدولت وہ اپنے مطلوبہ فرد سے

رابطہ بہت کم عرصے میں کرسکتا ہے۔ انٹرنیٹ نے فاصلوں کو ختم کر دیا ہے۔ خط کی نئی شکل ای میل (e.mail) کی صورت میں زیر استعمال ہے۔

آج انٹرنیٹ پر لاتعداد ایسی ویب سائٹس موجود ہیں جن پر اردو ادب، شاعری، مزاح، نثر یا کسی اور شکل میں مواد موجود ہے۔ وہ لوگ جو لائبریریوں کے مسائل کے سبب سے یا معاشی مسائل کے سبب سے اردو ادب کی مایہ ناز تصانیف کا مطالعہ نہیں کر پاتے انٹرنیٹ کی وجہ سے نہایت آسانی سے مطلوبہ مواد حاصل کر لیتے ہیں۔

۲۶۔ تاریخ گوئی:

انسانی فطرت یقیناً اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کی زندگی، موت اور کارنامے تاریخ انسانی کا حصہ بنیں۔ لہٰذا پرانی عمارتوں پر سنہ تعمیر کندہ ہونا اس بات کے دلیل ہے کہ عمارت کی تعمیر کی تاریخ دنیا والوں کے سامنے ہمیشہ قائم و دائم رہے۔ عمارات کو تعمیر کرنے والے ختم ہو جاتے ہیں، مگر ان کے نام و نشان باقی رہتے ہیں۔ عمارتیں ختم ہو گئیں لیکن ان پر تحریر شدہ عبارتیں اب بھی مختلف کتابوں میں ان کی تعمیر کی گواہی دے رہی ہیں۔

دنیا کی انہی ضروریات کو تاریخ گوئی کے حوالے سے قائم و دائم رکھا گیا۔ مشہور تاریخی واقعات، فتوحات، اہم شخصیات کی سنین پیدائش و وفات وغیرہ تاریخ گوئی کے حوالے سے ہی ادبی تاریخ، خواہ وہ نثر کی ہو یا نظم کی، میں اب بھی محفوظ ہیں۔ شاعری میں بصورت قطعہ یہ فن اس لیے بھی زیادہ اہمیت اختیار کر گیا کیونکہ شعر آسانی سے یاد رہ جاتے ہیں اور اس کے برعکس ہندسے بعض اوقات ذہن سے نکل جاتے ہیں۔

تاریخ گوئی کا فن اصل میں مشرقی فن ہی تصور کیا جاتا ہے۔ مشرقی تاریخ گوئی کی بنیاد ابجد پر رکھی گئی۔ بعض علماء کا عام عقیدہ ہے کہ ابجد (خالص عربی زبان) حضرت آدم علیہ السلام پر منکشف ہوئی جو ابجد آدم کہلاتی ہے پھر آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام پر نئی صورت میں منکشف ہوئی جو ابجد نوحی کے نام سے موسوم ہے۔ یہی ابجد نوحی ہماری تاریخ گوئی کی بنیاد ہے۔ ابجد نوحی آٹھ کلموں پر مشتمل ہے:

(۱) ابجد (۲) ہوز (۳) حطی (۴) کلمن (۵) سعفص (۶) قرشت (۷) ثخذ (۸) ضظغ

فن تاریخ گوئی میں حروف کی مستند تسلیم شدہ قیمتیں بہ اعتبار ابجد درج کی جاتی ہیں۔ یہ عربی حروف تہجی کی قیمت ظاہر ہوگی۔

(۱) ابجد				(۲) ہوز			
ا	ب	ج	د	ھ	و	ز	
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	
(۳) حطی				(۴) کلمن			
ح	ط	ی		ک	ل	م	ن
۸	۹	۱۰		۲۰	۳۰	۴۰	۵۰
(۵) سعفص				(۶) قرشت			
س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت
۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰
(۷) ثخذ				(۸) ضظغ			
ث	خ	ذ		ض	ظ	غ	
۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰		۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰	

ان حروف کا استعمال حسب ذیل صورتوں میں کیا جاتا ہے:

۱۔ آج کل کے معمول میں دیباچوں اور مضامین فہرستوں کے صفحات پر نمبر لگانے کے لیے (بعض حضرات رومی حروف کا استعمال کرتے ہیں۔)

۲۔ قطعات تاریخی میں (پہلا، منظوم شکل میں، کتبوں کی شکل میں، دوسرا جادو ٹونے اور ٹوٹکے کے حامل حروف عددی کی قیمتوں کو ایک خاص قاعدے سے استعمال کرتے ہیں۔)

۳۔ اصطرلابوں میں (یعنی پیتل کا وہ گولا جس پر آفتاب اور ستاروں کی بلندی اور

دوری معلوم کرنے کے لیے نقوش اور حروف بنے ہوتے ہیں۔)

ابجد کا حساب ایک سے لے کر ہزار تک پہنچتا ہے۔ پہلے نو حروف کو احادہ یعنی اکائیاں، بعد کے نو حروف کو عشرات یعنی دہائیاں اور ان کے بعد نو حروف کو مآت یعنی سینکڑوں اور آخری حروف کو الف یعنی ایک ہزار تسلیم کیا گیا ہے۔

جب شعرا نے تاریخ گوئی کو اپنایا تو تاریخیں مصرعوں میں کہی جانے لگیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تاریخی قطعات گوئی بطور ایک صنف شاعری کے نمودار ہوگئی۔ شریف شرفا میں یہ دستور چل پڑا کہ پیدائش، وفات، شادی بیاہ اور دوسری کئی رسوم کے موقع پر تاریخی قطعات کہے جانے لگے یوں تاریخ گوئی کا تعلق تاریخی نوعیت کے واقعات کے علاوہ معاشرے کی دوسری سرگرمیوں کے ساتھ بھی جڑ گیا۔

اگر ان حروف کے استعمال کو دیکھا جائے تو لفظ ''محمدؐ'' کے لیے ۹۲ کے ہندسے لکھے جاتے ہیں۔ یوں ''محمدؐ'' میں م، ح، م، د کے حروف آتے ہیں۔ ان حروف کی قیمت لگائیں تو م کے ۴۰، ح کے ۸، م کے ۴۰ اور د کے ۴ عدد ہیں۔ ان اعداد کو جمع کریں تو مثلاً ۴۰+۸+۴۰+۴=۹۲ بنتے ہیں۔ اسی طرح ۷۸۶ کے اعداد پر غور کریں تو ان کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ لکھا جاتا ہے۔ ان حروف کی قیمتوں کو جمع کر کے دیکھیں تو حاصل جمع ۷۸۶ ہی آئے گا۔ مثلاً ب۲، س۶۰، م۴۰، الف۱، ل۳۰، ل۳۰، ہ۵، الف۱، ل۳۰، ر۲۰۰، ح۸، م۴۰، ن۵۰، الف۱، ل۳۰، ر۲۰۰، ح۸، ی۱۰، م۴۰=۷۸۶ حاصل جمع آئے گا۔

اس طرح استاد ابراہیم ذوق کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

ہفتاد و دو فریق حسد کے عدد سے ہیں
اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں

پہلے مصرعے میں ''ہفتاد'' ۷۰ کو کہتے ہیں اور ''دو'' کا مطلب ۲ ہے یوں انہیں جمع کریں تو ۷۰+۲=۷۲ حاصل جمع آتا ہے۔ اور ''حسد'' کے حروف کی قیمت جمع کریں تو ح کے ۸، س کے ۶۰ اور د کے ۴ عدد ہیں اگر انہیں جمع کریں یعنی ۸+۶۰+۴=۷۲ حاصل جمع آتا ہے۔ یوں پہلے مصرعے میں ''ہفتاد و دو'' اور دوسرے مصرعے میں ''حسد'' کے حروف کو

یکساں قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح مرزا دبیر کا شعر ملاحظہ ہو:

اعداد محمد و علی کو گن لو
یہ دونوں جو باہم ہوں تو رب ملتا ہے

اس شعر میں محمدؐ اور علی کے حروف کی قیمت جمع کریں تو رب کے حروف کی قیمت کے مطابق حاصل جمع آتا ہے۔ مثلاً م ح م د کے حروف کی قیمت ۴۰+۸+۴۰+۴=۹۲ ہے اور علی کے حروف کی قیمت ع ل ی، ۷۰+۳۰+۱۰=۱۱۰ ہے یوں اگر ۹۲+۱۱۰ کا حاصل جمع کریں تو ۲۰۲ بنتا ہے۔ اب ''رب'' کے حروف ''ر'' اور ''ب'' کے حروف کی قیمت جمع کریں تو ر کے ۲۰۰ اور ب کے ۲ عدد ہیں لہٰذا یہ بھی ۲۰۲ ہی بنتے ہیں۔

ڈاکٹر سہیل احمد خان شعبہ اردو جی سی یونیورسٹی، لاہور کی وفات سنہ ۲۰۰۹ء میں ہوئی سید طارق زیدی نے تاریخ گوئی سے اپنے شعر میں ان کی تاریخ وفات نکالی، شعر ملاحظہ ہو:

اس کے شاگرد نے کہی تاریخ
''فیض بخش جہاں سہیل احمد'' (۲۰۰۹ء)

شعر کے دوسرے مصرعے کے حروف کے اعداد جمع کریں تو حاصل جمع ۲۰۰۹ ہی آتا ہے مثلاً: ف۸۰، ی۱۰، ض۸۰۰، ب۲، خ۶۰۰، ش۳۰۰، ج۳، ہ۵، الف۱، ن۵۰، ل۳۰، ہ۵، ی۱۰، ل۳۰، الف۱، ح۸، م۴۰، د۴=۲۰۰۹ء

تحقیق کار اگر ان قطعات سے بھی کسی شخصیت کی صحیح تاریخ حاصل کرنا چاہے تو تاریخ گوئی بھی ایک مستند اور مفید ماخذ کی صورت میں اس کی مدد کرنے کو تیار ہے۔

☆☆☆

۱۹ء تک اُردو میں اصولِ تحقیق پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ تحقیقی اصولوں پر لے دے کے گنتی کے چند مقالات موجود تھے۔ مگر اس وقت اُردو دنیا میں بلند پایہ محققین ادب کی ایک اچھی خاصی تعداد ضرور موجود تھی اور اب ہمارے اس زمانے تک آتے آتے صورتِ حال بدل گئی ہے۔ اب فنِ تحقیق پر بہت سی کتابیں تو دست یاب ہیں مگر اچھے محققین کی تعداد خوفناک حد تک مختصر ہوتی جا رہی ہے۔ ایک تبدیلی یہ ہوئی ہے کہ ایم۔فل اور پی ایچ۔ڈی کی جماعتوں میں تحقیق کی تدریس پر زور دیا جا رہا ہے جس سے طلبہ میں تحقیق سے دل چسپی بڑھ رہی ہے۔ اگرچہ اب اصولِ تحقیق پر کئی ایک معیار کی کتب موجود ہیں مگر مبتدیانِ تحقیق کی رہنمائی کے لئے ایسی کتب کی کمی کو شدت سے محسوس کیا گیا ہے جو اُن کو آسان اسلوب اور سہل انداز میں تحقیق کے مسائل اور قواعد سمجھا سکیں۔ جی سی یونیورسٹی، لاہور کے استاد ڈاکٹر محمد ہارون قادر نے ایسی کتاب کی کمی اور ضرورت کو سنجیدگی سے محسوس کرتے ہوئے فنِ تحقیق پر ایک ایسا مونوگراف تیار کیا ہے جو دانش گاہوں کے طلبہ کے لئے مبادیاتِ تحقیق پر ایک رہنما تحقیق مینوئل (manual) کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے تحقیق کے پھیلے ہوئے اور دقیق موضوعات کو اختصار کے ساتھ سمیٹا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کا یہ کام نو آموز محققوں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

۱۴ر نومبر ۲۰۰۹ء

تبسم کاشمیری

شعبہ اُردو

جی سی یونیورسٹی، لاہور

الوقار پبلی کیشنز

335-K2 Wapda Town, Lahore.